حسن صہیب مراد مرحوم

کی زندگی پر مضامین

Contents

ڈاکٹر حسن صہیب مراد۔۔۔ تحریر: پروفیسر حافظ سجاد قمر 4

Syed Muhammad Arif Hashmi 9

Rafiq Mujahid 10

Prof. Dr. Muhammad Yusuf Awan 11

ڈاکٹر ثناءاللہ فاروقی 12

ڈاکٹر حسن صہیب مراد، عظمت کا مینار۔۔۔ الطاف حسن قریشی 14

خود کلامی۔۔۔۔ زبیر منصوری 17

وہ شخص اب یہاں نہیں ملے گا۔۔۔ چوپال۔۔ محمد اسلم خان (نوائے وقت) 19

ڈاکٹر زیباو قار وڑائچ 22

مراد کی مراد۔۔۔۔۔ محمد حسان 25

Mansoor Asghar 29

کیا آدمی تھا، نہ رہا! آہ۔۔۔۔ شازیہ ناز 30

بیگم کلثوم نواز اور ڈاکٹر حسن صہیب مراد اور پاکستانی میڈیا۔۔۔ تحریر : حسن الامین 32

کاش اے موت تجھے ہی موت آئی ہوتی۔۔۔۔۔ حافظ شفیق الرحمٰن 33

Azam Minhas 35

Fahim Chouhdry 37

Khaleeq Ur Rahman 38

Imran Ahmad Khan 39

جناب حسن صہیب مراد بھی چل بسے...اناللہ وانا الیہ راجعون۔۔۔۔۔ سید صدیق صدیقی 40

ڈاکٹر حسین محی الدین کا ڈاکٹر حسن صہیب مراد کے انتقال پر اظہار تعزیت 42

Salman Baig 43

Farrukh Nazeer Chattha 44

Muhammad Shakir 45

ڈاکٹر حسن صہیب سعادت کی زندگی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ تحریر: امیر العظیم 46

وہ شخص اب یاں نہیں ملے گا۔۔۔ تحریر: ڈاکٹر تنویر زبیری 48

میں نے دیکھا ہے سمندر، اک ندی میں گر گیا- تحریر: سید وقاص جعفری 52

Daughter of Syed Muhammad Belal, Zahra Belal's tribute to her mamoo, Dr Hasan Sohaib Murad 56

گوہر نایاب کا انوکھا لاڈلا۔۔۔۔ تحریر: صائمہ اشرف 58

شاہین بھائی۔۔۔ السلام علیکم ورحمتہ اللہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ تحریر: فاروق بھٹی 60

تاریخ کی امانت تحریر میں لانا فرض ہے۔ 63

کامیاب انسان (شاعری – افضال صدیقی) 64

حسن صہیب مراد: وہ ہم نفس ہم سخن ہمارا۔۔۔ ڈاکٹر شاہد صدیقی (روزنامہ دنیا) 65

ڈاکٹر حسن صہیب مراد۔۔۔ تحریر: پروفیسر حافظ سجاد قمر

سورج مشرق سے ابھرا اور مغرب میں غروب ہو گیا۔ لیکن اس نے جو روشنی پھیلائی اس سے قیامت تک اس راستے پر چلنے والے رہنمائی حاصل کرتے رہیں گے۔ کتابی نستعلیق چہرہ، روشن پیشانی ہر وقت چہرے پر مسکراہٹ، عاجزی اور انکساری کا پیکر ڈاکٹر حسن صہیب مراد یوں اچانک ہم سے رخصت ہوئے کہ تین ہفتے سے زاید گزرنے کے باوجود ابھی تک یقین نہیں آتا۔ پاکستان کے ایک بہت بڑے دانشور، ماہر تعلیم اور امت کا درد رکھنے والی شخصیت، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابھی ہنستے مسکراتے سامنے آئیں گے اور کہیں گے کہ کوئی ایسا طریقہ ہو کہ امت مسلمہ متحد ہو جائے۔ میری ان کے ساتھ ایک بھی ایسی ملاقات نہیں جس میں انہوں پاکستان، امت اور تعلیم کے حوالے سے اپنے کرب کا اظہار نہ کیا ہو۔ ڈاکٹر حسن صہیب مراد ددھیال ننھیال دونوں طرف سے نجیب الطرفین علمی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کے والد کے ننھیالی بزرگ مولانا عبدالغفار حسن برصغیر کے نامور عالم دین اور مصنف تھے۔ جب کہ آپ کے دادا سرگودھا سے تعلق رکھنے والے سول انجینئر تھے۔ آپ کے والد خرم مراد برصغیر کے بہت بڑے مفکر، دانشور اور دلوں کو موم کرنے والے ایک عبقری انسان تھے۔ خرم مراد مرحوم پروفیسر خورشید احمد، ظفر اسحاق انصاری، ڈاکٹر حسن اس دنیا کے لوگ نہیں تھے۔ کسی اور سیارے کی مخلوق۔

نرم دم گفتگو، گرم دم جستجو

رزم ہو یا بزم ہو، پاک دل و پاک باز

ان میں اب صرف پروفیسر خورشید احمد صاحب ہم میں موجود ہیں۔ پوری زندگی ایک آئینے کی طرح، صاف و شفاف، انتہائی مصروف شخصیت لیکن جب ہم نے ملنا چاہا ملاقات ہو گئی۔ خرم مراد مرحوم کراچی سے امریکا، امریکا سے ڈھاکا اور ڈھاکا سے لاہور، پاکستان، اسلام اور انسانیت کی خدمت کی ایک ایسی لازوال اور عظیم داستان مرتب کر گئے کہ جس کو پہنچنا مشکل اور ناممکن ہے۔ حرم شریف مطاف میں ٹھنڈی ٹائلوں کے منصوبے میں شامل ہونا بھی آپ کے اعزاز میں شامل ہے۔ آپ کے حقیقی ماموں زاہد حسین اسٹیٹ بینک آف پاکستان کے پہلے گورنر تھے۔ تو ڈاکٹر حسن صہیب مراد موتیوں کی اس لڑی سے تعلق رکھتے تھے جس کا ایک ایک موتی اپنی چمک اور خوب صورتی میں انمول تھا۔ سرگودھا کی جفاکشی، بھوپال کا طرز تہذیب اور کراچی کی شائستگی اور وقار لیے ڈاکٹر حسن 22 اکتوبر کو کراچی میں پیدا ہوئے۔ این ای ڈی یونیورسٹی کراچی سے گریجویشن کی ڈگری اس امتیاز سے حاصل کی کہ ہر سال ڈین میرٹ ایوارڈ حاصل کیا۔ واشنگٹن اسٹیٹ یونی ورسٹی سے ایم بی اے اور یقین

ورسٹی آف ویلز برطانیہ سے پی ایچ ڈی بھی کیا۔ لیکن نہ چھوٹے مجھ سے لندن میں بھی آداب سحر خیزی کے مصداق دین کی جو تربیت گھر سے ملی تھی اس میں کوئی کمی نہیں آئی۔ خود ایک مرتبہ کہنے لگے کہ جیسی ڈاڑھی لے کر گئے تھے ویسی ہی ساتھ لے کر آئے۔ ورنہ ہم نے تو دیکھا ہے کہ کسی منصب پر پہنچنے کی دیر ہے کہ بڑے بڑے لوگوں کے حلیے ہی تبدیل ہو گئے۔ امریکا اور برطانیہ میں اعلیٰ تعلیم اور اتنا عرصہ گزارنے کے بعد نہ ہی تو حسن صاحب نے منہ ٹیڑھا کر کے انگریزی کا توں گھمایا اور نہ ہی ان کو پاکستان کے ماحول سے نفرت ہوئی۔ شہرت اور گلیمر سے دور پرے رہ کر انہوں نے تعلیم کے شعبہ کو اپنی رزم گاہ بنایا۔ انسٹی ٹیوٹ آف لیڈر شپ اینڈ مینجمنٹ سے جس سفر کا آغاز کیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ یونیورسٹی آف مینجمنٹ اینڈ ٹیکنالوجی کی شکل میں سیکڑوں ہزاروں افراد کا مسیحا بن گئے۔ اس سفر کے دوران بے شمار مراحل آئے۔ شروع میں مشکلات اور کامیابی کے بعد آزمائش لیکن حسن صاحب دونوں مواقع پر سرخرو ہوئے۔ بڑی بڑی پیش کش اور دنیا کی چکاچوند اور عہدوں کی لالچ سے دور اپنی دنیا میں مگن رہے۔ سفر ہو یا حضر، تہجد کی پابندی کبھی بھی نہیں چھوٹی۔ تمام تر جدوجہد کا مرکز اور محور تعلیم تھا۔ عموماً دیکھا ہے کہ جن لوگوں کے پاس پیسہ ہوتا ہے ان کے اندر ہوس میں اضافہ ہی ہوتا جاتا ہے۔ ان کا سونا جاگنا پیسہ ہوتا ہے لیکن حسن صاحب اس بیماری سے کوسوں دور تھے۔ سعودی عرب، ترکی، اردن، قطر کے سفارت کاروں اور رہنماؤں سے ملاقاتیں ہوتیں۔ گھنٹوں گھنٹوں بیٹھتے۔ ترکی میں فوجی بغاوت ہوئی تو حسن صاحب ایسے ہو رہے تھے جیسے ان کی اپنی سلطنت پر حملہ کیا گیا ہو۔ شام کی صورت حال پر اتنے دل گرفتہ تھے اور ہر وقت اس جستجو میں ہوتے تھے کی کسی طرح ان کے کام آئیں۔ محمد ابراہیم قاضی ان کے رفیق کار لکھتے ہیں کہ ترکی میں ایک کانفرنس کے دوران سب کو چھوڑ کر شامی طلبہ سے گھل مل گئے اور ان کے لیے اسکالر شپس مختص کرنے کا اعلان کیا۔ حوثیوں نے سعودی عرب کو نشانہ بنانا چاہا اور یمن کو تاراج کرنا شروع کیا تو تب بھی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے حسن صاحب کے گھر کا مسئلہ ہو۔ ہر ملاقات میں اس بات کا تذکرہ ہوتا۔ گزشتہ سال اغیار کی سازشوں میں ایک نئی سازش ہوئی اور قطر کو نشانہ بنا دیا گیا۔ تب حسن صاحب اسلام آباد آئے اور قطر کے سفیر سقر بن مبارک سے ملے۔ اپنے درد کا اظہار کیا اور دامے درمے سخنے ساتھ چلنے کا عزم کیا۔ حسن صاحب نے قطر کا بڑا خوبصورت تجزیہ کیا۔ اور کہا کہ قطر کی صورت حال ایسی ہے کہ جیسے کوئی حسین و جمیل اور مال دار دوشیزہ ایسے بد طینت لوگوں میں پھنس جائے جہاں ہر کوئی اس پر بری نظر رکھے۔ اور اس پر قبضہ کرنے کی کوشش کرے۔ عالمی استعمار نے پہلے عراق لیبیا کو ختم کرایا اور اب ان کی للچائی ہوئی نظریں قطر جیسے مسلمان دولت مند ملک پر ہیں کہ کسی بہانے ان کی دولت ختم کرائی جائے۔ ایک گھنٹے سے زاید ملاقات کے بعد قطر کے سفیر حسن صاحب کو چھوڑنے باہر دروازے تک آئے۔ اور ان کے جذبات پر بے پناہ خوشی کا اظہار

کیا۔ عرض کرنا یہ مقصود تھا کہ بڑے بڑے غیر ملکی اداروں کے ذمے داران کے ساتھ میل ملاقات میں کبھی بھی کچھ مانگا نہیں۔ نہ ہی مانگنے والا موضوع رکھا۔ صرف اور صرف امت کے انتشار، زبوں حالی اور حل کے لیے اپنی تجاویز پر بات کی۔ حسن صاحب کی خواہش تھی کہ یو ایم ٹی کے طرز پر ریاض سعودی عرب میں بھی ایک یونیورسٹی ہو۔ اسلام آباد میں ایک انٹر نیشنل یونیورسٹی ہو۔ جس کا رابطہ پوری دنیا کے ساتھ ہو اور یہ امت مسلمہ کو جہاں قابل رجال کار مہیا کرے وہاں امت کی رہنمائی بھی کرے۔ اس یونیورسٹی کے قیام کے پہلے قدم کے طور پر جب اس کی باڈی رجسٹرڈ ہوئی تو اس کے بعد ان سے ملاقات ان کی لائق صاحب زادی مریم مراد کی شادی میں ہوئی جو دی نالج اسکولز سیٹ اپ کو مہارت سے چلا رہی ہیں۔ مہمانوں کے اتنے رش کے باوجود ملتے ہی بڑی خوشی کا اظہار کیا اور رجسٹریشن کی پوری روداد سنی اور کہا کہ یہ قدم اس بات کا اشارہ ہے کہ اللہ پاک کو یہ منصوبہ قبول ہے۔ اور پھر اس پر تفصیل سے بات کی۔ نبی کریمؐ کی حدیث کا مفہوم ہے کہ مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرا مسلمان محفوظ رہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ حسن صاحب اس حدیث کی عملی مثال تھے۔ کوئی بڑا ہو یا چھوٹا، ہر ایک کو نہایت ادب و احترام سے بلاتے تھے۔ کسی کو برا بھلا یا پیٹھ پیچھے بات کرتے نہیں سنا۔ کسی کو کوستے اور ڈانٹتے نہیں دیکھا۔ ہر وقت چہرے پر مسکراہٹ سجی ہوتی تھی۔ ملاقات، مہمان نواز اور خندہ پیشانی، یونیورسٹی میں ایک دفعہ جمعہ کی نماز ان کے ساتھ پڑھی۔ باہر نکلے تو طلبہ و طالبات کا ایک ہجوم، ایک ہی مطالبہ، فیس معافی، کسی ایک کو بھی یہ نہیں کہا کہ یہ کوئی جگہ ہے اور کیا یہ کوئی طریقہ ہے۔ سب کی بات سنی اور ان کے مسائل حل کیے۔ اسلام آباد میں آخری ملاقات کا موضوع یہ تھا کہ مسلم ورلڈ چیئرمین کے لیے حسن صاحب جو کہ اس تنظیم کے پاکستان کے چیئرمین تھے کی طرف سے سے ظہرانہ تھا۔ میں تاخیر سے پہنچا تو ڈاکٹر انیس صاحب کے ساتھ کھڑے تھے۔ میرا ہاتھ پکڑا اور آخری نشستوں پر بیٹھ گئے۔ پروٹوکول سے کوسوں دور رہتے تھے۔ پوری تقریب میں پیچھے ہی بیٹھے۔ رسم کے بجائے کام اور نتیجے پر توجہ رکھتے تھے۔ وفات سے چند دن قبل مجھے ابراہیم قاضی کا فون آیا کہ حسن صاحب گلگت ہیں۔ اور واپسی پر جمعرات کے روز آپ کے ساتھ ہوں گے۔ لیکن ہر وعدہ پورا کرنے والے یہ وعدہ پورا نہیں کر سکے۔ سوست بارڈر کے قریب گاڑی کے ایک حادثے میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ اس طرف بھی شاید وعدہ تھا۔ اے نفس مطمئن چل اپنے رب کی طرف اس حال میں کہ وہ تجھ سے راضی اور تو اس سے راضی پس داخل ہو جا میری جنت میں جس کا تجھ سے وعدہ تھا۔ جنازے سے پہلے حسن صاحب کے گھر پہنچا ڈرائیور صاحب ملے۔ آج ہمارے بادشاہ چلے گئے۔ ہمارا دل کچھ سخت ہے۔ کم ہی رونا آتا ہے لیکن آنسو تھے کہ رک نہیں رہے تھے۔ ابراہیم حسن مراد زخمی اور اشک بار آنکھوں کے ساتھ اپنے والد کا سفر آخرت بیان کر رہے تھے۔ امیر جماعت اسلامی

پاکستان جناب سراج الحق، حسن صاحب کے بڑے بھائی فاروق مراد، نائب امیر ڈاکٹر فرید پراچہ، اظہر اقبال حسن اور بہت سے سوگوار موجود تھے۔ ابراہیم حسن مراد سے میں پہلے بھی ملا۔ کئی بار بیٹھے۔ لیکن اس دن وہ بول رہے تھے اور مجھے لگ رہا تھا کہ یہ تو حسن صہیب مراد ہیں۔ گلگت سے واپسی کا سفر ابراہیم نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔ اپنی یادوں کے پرت کھول رہے تھے۔ کہ والد صاحب کہتے تھے کہ جہاں تم کو جانا ہے وہاں مجھے نہیں جانا اور جہاں مجھے جانا ہے وہاں تم کو نہیں جانا۔ گلگت کے سفر کے لیے راضی نہیں تھے۔ لیکن جنرل جاوید حسن سابق ڈی جی ایف سی نارد رن ایریا پروگرام ترتیب دے چکے تھے سو والد صاحب نے قبول کر لیا۔ واقعہ کا تذکرہ کر رہے تھے کے جب گاڑی الٹ گئی تو ہم باقی تین لوگ گاڑی میں ہی رہے لیکن والد صاحب گاڑی سے باہر جا گرے۔ سر غالباً پتھر سے جا ٹکرایا۔ گاڑی سے نکل کر والد صاحب کو دیکھا۔ اتنے میں کچھ لوگ رکے اور میرے کانوں میں آواز آئی کہ یہ تو حسن صہیب مراد صاحب ہیں۔ اور میں نے سوچا کہ یہاں بھی والد صاحب کے شاگرد موجود ہیں۔ گاڑی میں بٹھا کر قریبی ڈسپنسری کی طرف چلے۔ والد صاحب کے گلے سے اللہ اللہ کی آواز آ رہی تھی۔ ایک مرتبہ انگلی آسمان کی طرف اٹھائی گویا کلمہ شہادت پڑھ رہے ہوں۔ اسپتال پہنچے لیک اس سے پہلے وہ اپنے ربّ کے پاس جا چکے تھے۔ ابراہیم کہ رہے تھے کہ جب میں باہر سے پڑھ کے آیا تو والد صاحب کو کہا کہ مجھے اگر کوئی دفتر دے دیں تاکہ میں بیٹھ سکوں۔ والد صاحب نے اپنے آفس میں میرے لیے میز لگائی اور میں ایک طویل عرصہ ان کے ساتھ بیٹھا۔ ان کا مقصود یہ تھا کہ میں ان کے ساتھ رہ کر سیکھوں۔ ابراہیم کہ رہے تھے کہ ایک دفعہ میں حساب دیکھ رہا تھا تو میں نے دیکھا کہ ہزاروں طلبہ کو کروڑوں روپے کے اسکالر شپس دیے گئے۔ میں نے والد صاحب سے کہا کہ لوگ چھوٹا سا کام کرتے ہیں اور اتنی تشہیر کرتے ہیں۔ آپ نے کسی بروشر میں اس کا ذکر ہی نہیں کیا۔ سنا اور بس مسکرا دیے۔ بڑی بڑی آفرز آتی رہیں لیکن انہوں نے اپنی جگہ نہیں چھوڑی۔ اور نرم خو ایسے کہ ڈرائیور کو بھی صاحب کہہ کر بلاتے اور کہتے کہ اگر آپ کے پاس وقت ہے تو یہ کام کر آئیں۔ سخت ترین تھکن اور سفر کے باوجود تہجد کی نماز نہیں چھوڑتے تھے۔ یادوں کی پرتیں کھل رہی تھیں اور آنسوؤں کی لڑیاں رواں تھیں۔ ابراہیم کے سر بڑا بوجھ آ گیا لیکن والد صاحب کی تربیت اس دن بول رہی تھی کہ فرماں بردار اولاد اپنے والد کا مشن جاری رکھے گی۔ اہلیہ بھی تعلیم کا مشن لیے اپنے حصے کی خدمت جاری رکھے ہوئے ہیں۔ بیٹی بھی قدم بقدم ہے۔ نماز جنازہ میں ایک ہجوم تھا۔ مولانا طارق جمیل صاحب کہہ رہے تھے کہ اتنی بڑی تعداد ہے۔ ابراہیم کے والد بخشے گئے۔ اور پھر وہی بیان کیا کہ مسلمان وہ ہے جس کی زبان سے دوسرا مسلمان محفوظ رہے۔ اور مجمع گواہی دے رہا تھا کہ واقعی ڈاکٹر حسن

صہیب مراد ایسے ہی تھے۔ پوری زندگی روشنیوں اور خوشبوؤں سے بھرپور سورج اپنی تمام تر تمازتوں کے ساتھ غروب ہو گیا لیکن اس کی پھیلائی ہوئی روشنی سے مدتوں قافلے رہنمائی حاصل کرتے رہیں گے۔ خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

روزنامہ جسارت

Syed Muhammad Arif Hashmi

عارف بھائی یہ لیں حسن صہیب مراد صاحب کا نمبر اور Talent Expo کے لئے سپانسر کی بات کر لیں۔"ناظم صاحب میں کیسے کر لوں آپ کر لیں اور آپ زیادہ بہتر بات کر لیں گے" اس پر ناظم صاحب "نہیں نہیں آپ بات کر لیں کوئی مسئلہ نہیں، انجنیئرنگ کے ساتھ ساتھ مارکیٹنگ بھی سیکھیں، بات کریں گے تو سیکھیں گے"۔

اگلے دن کال کی تو پہلی کال پر فون اٹھا لیا گیا۔

"اسلام وعلیکم حسن صہیب صاحب بات کر رہے ہیں؟" "وعلیکم السلام جی بات کر رہا ہوں "

"حسن صاحب عارف ہاشمی بات کر رہا ہوں کراچی جمعیت سے، آپ کا تھوڑا سا وقت چاہیئے تھا"

"جی جی کہیئے بات کر رہا ہوں"

"حسن صاحب اسلامی جمعیت طلبہ ہر سال کی طرح اس سال بھی ماہِ اکتوبر میں Talent Expo کا انعقاد کرنے جا رہی ہے، پچھلے سال آپ نے معاونت کی تھی تو اس سال بھی اسی امید کے ساتھ آپ سے رابطہ کیا ہے، ہم چاہتے ہیں اس سال بھی آپ ہمارے ایونٹ کو سپانسر کریں"

"اچھا ماشااللہ، بہت اچھی بات ہے، تو جتنے پچھلے سال لئے تھے اتنے ہی اس سال بھی لے لیں"

"حسن صاحب وہ بھی بہت ہے لیکن اس دفعہ ہم بڑا ایونٹ کر رہے ہیں جس میں کافی زیادہ تعداد میں طلبہ کو انگیج کریں گے جس کے اِخراجات کافی زیادہ ہیں"

"اچھا تو پھر اسی اماونٹ کو ڈبل کر لیں، ٹھیک ہے؟"

"جی جزاک اللہ بہت بہت شکریہ"

"تو کل آپ سے ہمارے کو آرڈینیٹر رابطہ کر لیں گے وہ ساری تفصیلات آپ کو بتا دیں گے، ٹھیک ہے بیٹا Best of luck"

"بہت شکریہ، جی میں ضرور رابطہ کر لوں گا جزاک اللہ "

زندگی میں دو بار ہی رابطہ ہوا اور دونوں بار اسی سلسلے میں اور اتنا ہی خوشگوار ہوا۔

اللہ آپ پر اپنی کروڑوں رحمتیں اور برکتیں نازل فرمائے اور آپ کا محاسبہ آسان فرمائے آمین

RafiqMujahid

اپنے محسن اور اچھے بھائی حسن صہیب مراد کے جنازے میں شرکت ہوئی مبلغ اسلام حضرت مولانا طارق جمیل صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی امیر محترم سراج الحق نے اپنے کاندھوں پر اٹھا کر سفر آخرت پر روانہ کیا۔

میرا تعلق حسن صہیب مراد سے اس وقت سے تھا جب داؤد ھر کولئیس شملہ پہاڑی والے آفس میں جاب کرتے تھے میں ایک پرائیوٹ فرم تھا اور ان سے چیک لینے جاتا تھا بڑی محبت اور شفقت فرماتے تھے۔اس وقت کسے معلوم تھا کہ یہ شخص مختصر سے عرصہ میں قوم کو ایک بین الاقوامی معیار کا ادارہ دے کر جائے گا۔اس ادارے سے بہت سے غریب طلبہ مفت تعلیم حاصل کی ھزارو طلبہ نے قرض حسنہ کے زریعے ھائر ایجوکیشن حاصل کی اور ملازمت کے بعد آسان اقساط میں قرض اتارا ۔ھزاروں گھروں میں خوشحالی لانے والا ھمیشہ مسکرانے والا آج ھم سب کو اداس کر گیا۔یااللہ جنت میں ھم سب کو ایک ساتھ اکٹھا رکھنا آمین

یااللہ حسن صہیب مراد بھائی سے عافیت والا معاملہ فرمانا

آمین۔

چیرمین UMT ڈاکٹر حسن صہیب مراد عظیم باپ کے عظیم فرزند آج ایک روڈ ایکسیڈنٹ میں شہید ھو گئے اس خاندان کی پوری زندگی اسلام کے لئے وقف رھی جماعت اسلامی کیلئے اس خاندان کی کوشش ھمیشہ سنہرے حروف میں لکھی جائے گی داؤد ھر کولیس میں ملازمت سے چیرمین umt کے سفر میں کبھی انکے اندر تکبر نہیں دیکھا نہائت سادہ خوش اخلاق اور ملنسار انسان تھے

ملاقات کے دوران حسن صہیب بھائی نے پروفیسر خورشید صاحب کی لکھی کتاب اسلام زندگی ھے مجھے تحفہ دی

یااللہ انکی مغفرت فرما جنتالفردوس میں آقائے دوعالم کا قرب نصیب فرما انکے گھر والوں اور ھم سب کو صبر جمیل عطا فرما۔آمین یارب العالمین آمین۔

Prof. Dr. Muhammad Yusuf Awan

:پروفیسر ڈاکٹر حسن صہیب مراد کی شہادت

آئی ایل ایم ٹرسٹ اور یونیورسٹی آف مینیجمنٹ اینڈ ٹیکنالوجی کے بورڈ آف گورنرز کے چیئرمین پروفیسر ڈاکٹر حسن صہیب مراد درہ خنجراب کی طرف ایک اہم تعلیمی مشن پر رواں دواں تھے کہ واپسی پر ایک روڈ ایکسیڈنٹ میں شہید ہو گئے۔ ''اناللہ و انا الیہ راجعون ''

ڈاکٹر حسن ایک ہمہ جہت شخصیت تھے اور کسی بھی موضوع پر گھنٹوں بول سکتے تھے، ان کے لاکھوں شاگرد اور ہزاروں دوست ہیں۔ وہ انتہائی سادہ طبیعت کے مالک تھے، ملنسار اور انسانیت سے محبت کرنے والے شخص تھے۔

ڈاکٹر حسن کا نام یو ایم ٹی کے ساتھ ایسے جڑا ہوا تھا کہ یو ایم ٹی اور ڈاکٹر حسن لازم و ملزوم سمجھے جاتے تھے۔ ان کی اچانک شہادت ایک طرح سے یو ایم ٹی پر عزرائیل کا خودکش حملہ ہے، جس میں عزرائیل تو بچ گیا مگر ڈاکٹر حسن شہید ہو گئے۔

ہماری دعا ہے رب قادر و عادل، غفور و رحیم اور عزوجل ڈاکٹر حسن کو آخرت میں اعلی مقام عطا کرے، انہیں انبیاء اکرام، شہداء عظام، صدیقین و صالحین کی صحبت عطا فرمائے اور آئی ایل ایم ٹرسٹ اور یو ایم ٹی کو ان کے متعین کردہ معیار کے مطابق رواں دواں رکھے۔ آمین و ثم

آمین

By
Prof. Dr. Muhammad Yusuf Awan

مغرب کی نماز کا وقت تھا یو ایم ٹی (یونیورسٹی آف مینجمنٹ اینڈ ٹیکنالوجی) کی مسجد میں نماز کے لئے پہنچے
نماز کھڑی ہو چکی تھی ایک خوبصورت آواز میں سورۃ الفاتحہ کی تلاوت ہو رہی تھی قدم جلدی سے اٹھنے لگے
عام معمول سے ہٹ کے آواز سنی تو تجسس بھی پیدا ہوا کہ امام کون ہے. جلدی سے نماز میں شامل ہو کے ایک مسحور کن آواز میں تلاوت سننے لگے. خیر نماز مکمل ہوئی تو امام صاحب کی طرف نظر اٹھی تو وہ خوبصورت اور وجاھت سے معمور ہشاش بشاش چہرے والے
"ڈاکٹر حسن صہیب مراد " تھے
نماز مکمل کر کے مسجد سے باہر نکل کر ان کا انتظار کرنے لگے
کچھ کولیگز بھی ساتھ تھے اس سے پہلے ہماری ان سے جان پہچان صرف ان کی تصویریں دیکھنے تک ہی محدود تھی
آج سوچا کہ ایسا عظیم انسان جو اس یونیورسٹی کا مالک اور وائس چانسلر ہے (بعد میں وہ چیئرمین بن گئے تھے) اس کے باوجود نہ صرف نمازی بلکہ نماز کی امامت کرنے کا جذبہ رکھنے والا شخص ہے
ان سے ملاقات کا اشتیاق اس لئے بھی تھا کہ سنا ہوا تھا کہ وہ
اپنے وقت کے امام المفسرین وامام المحدثین
نواب صدیق حسن صاحب رحمہ اللہ
کی اولاد میں سے ہیں
جماعت اسلامی سے گہری نسبت رکھتے ہیں
تو انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں وہ باہر نکلے ہم نے ان کو روک لیا سلام دعا اور تعارف شروع ہو گیا اس سے پہلے خیال تھا کہ ان سے سلام ہو جائے تو یہی کافی ہے کیوں کہ خیال یہ تھا کہ اتنا بڑا انسان شاید ہم جیسے ملنگوں اور فقیروں کو منہ لگانا بھی گوارا کرے گا کہ نہیں
لیکن جب بات چیت شروع ہوئی تو اتنی اپنائیت ملی اور لگا کہ شاید ھم ایک دوسرے کو صدیوں سے جانتے ہوں اور وقت گزرتا گیا باتیں ہوتی رہیں وہ مصروف ترین انسان ہم جیسے "ویلے" لوگوں کے ساتھ ایک عام سی سڑک یا راہداری میں کھڑا باتیں

کر رہا ہے. خیر ہمیں احساس ہوا کہ ان کا وقت قیمتی ہے اب ان سے اجازت لے کر ان کو رخصت کیا جائے پھر اس کے بعد ان کے جذبات و خیالات سننے کا بھی موقع ملا ان کی شخصیت ایسی دل میں اتری کہ جب کل اچانک ان کے حادثہ جانکاہ کی خبر ملی اور ان کی دنیا سے رخصتی کا علم ہوا تو دل تھا کہ مانتا ہی نہیں

بار تصدیق کرنے کے بعد جب یقین ہو گیا

"کل من علیھا فان" مصداق بن کے وہ دنیا سے رخصت ہو کے ہیں تو آنسو کے سیلاب تھا جو رکنے کا نام نہیں لے رہا تھا

لگتا ہے جیسے کوئی اپنا بہت زیادہ اپنا رخصت ہو گیا ہے

دل شکستہ ہے آنکھیں آبدیدہ ہیں ہونٹ کپکپا رہے ہیں

زبان سے سرگوشیاں ہیں

ان سرگوشیوں میں اک التجا ہے اک دعا ہے

یا اللہ ان کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرما

کچھ لوگ اپنے تو نہیں ہوتے لیکن اپنوں سے بڑھ کر عزیز از جان ہوتے ہیں

ڈاکٹر ثناء اللہ فاروقی

ڈاکٹر حسن صہیب مراد، عظمت کا مینار۔۔۔الطاف حسن قریشی

ڈاکٹر حسن صہیب مراد، عمر میں مجھ سے کوئی اٹھائیس سال چھوٹے تھے، مگر کام اِتنے بڑے بڑے کر گئے کہ صدیوں یاد رکھے جائیں گے۔ وہ 10 ستمبر کو گلگت سے واپس آتے ہوئے ٹریفک حادثے میں اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے جس کا قرب حاصل کرنے کے لیے وہ دن کے جھمیلوں اور رات کی تنہائیوں میں پوری عمر کوشاں رہے۔

اُن کا تعلق متوسط اور ایک معزز گھرانے سے تھا اور اُن کی تربیت دینی گھرانے میں ہوئی تھی۔ اُن کے والد خرم مراد بھوپال میں پیدا ہوئے اور وہیں پلے بڑھے۔ نواب بھوپال شاہ جہاں بیگم کی شادی نواب صدیق حسن خاں سے ہوئی تھی۔ اُن کے پڑپوتے سید ظہیر الحسن جماعت اسلامی بھوپال کے امیر تھے۔ اُن کی بیٹی خرم مراد کے عقد میں آئیں اور یوں حسن صہیب کو ماں اور باپ دونوں کی طرف سے اچھی تربیت اور ایک بامقصد زندگی کا ماحول میسر آیا۔

خرم مراد کے ماموں جناب زاہد حسین اعلیٰ پائے کے ماہرِ معاشیات تھے اور قائدِاعظم نے اُنہیں اسٹیٹ بینک کا گورنر مقرر کیا تھا۔ پاکستان بننے کے بعد خرم مراد کراچی میں آباد ہو گئے۔ وہاں انجینئرنگ کی تعلیم حاصل کی۔ ایک معروف انجینئرنگ کمپنی میں ملازمت مل گئی اور وہ اعلیٰ عہدے پر ڈھاکہ تعینات کر دیے گئے۔

میری اُن سے ملاقات ڈھاکہ ہی میں 1964ء کے اوائل میں ہوئی تھی۔ وہ شہر کے امیر جماعت اسلامی تھے اور سیاسی اور علمی حلقوں میں حد درجہ مقبول تھے۔ مفکرِ اسلام سید ابوالاعلیٰ مودودی کی انقلاب آفریں تحریروں نے ہمیں ایک وحدت کی لڑی میں پرو دیا تھا جنہوں نے اسلام کو ایک مکمل ضابطۂ حیات اور تمدنی طاقت کے طور پر پیش کیا تھا۔

مسلم نوجوان جو الحاد اور اشتراکیت سے مسحور ہو کر اسلام کے مستقبل سے مایوس ہوتے جا رہے تھے، مولانا کے دل و دماغ کو مسخر کرنے والے لٹریچر نے اُن کے اندر اللہ تعالیٰ کے دین پر کامل یقین از سرِ نو پیدا کیا اور اس کی سربلندی کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دینے کا ولولہ بیدار کیا۔

جناب خرم مراد نے بنگالی مسلمانوں میں اسلامی زندگی کے حقیقی مفہوم کو اس درجہ روشناس کیا کہ وہ بنگلہ قومیت کے بجائے پاکستانی قومیت کے جاں نثار ثابت ہوئے۔ خرم مراد ان جاں نثاروں کے ساتھ آخری وقت تک کھڑے رہے اور بھارت کے قیدی بنے۔ رہائی کے بعد کراچی آئے اور بعد ازاں لاہور منتقل ہو گئے۔

اُنہوں نے سیّد ابوالاعلیٰ مودودی کی دانش سے براہِ راست فیض پایا تھا جن کا انتقال 22 ستمبر 1979ء کو ہوا۔ ہم اپنے ربِ کریم سے اُن کے بلندیٔ درجات کی دعا کرتے ہیں اور اُمید رکھتے ہیں کہ اُن کی مجددانہ فکر پاکستان کے ساتھ ساتھ عالمِ اسلام کے حکمرانوں اور عوام کو جمہوری اور اسلامی قدروں کے احیا اور کلمۃ الحق کو سربلند رکھنے کی دعوت دیتی رہے گی۔

خرم مراد عارضۂ قلب میں اِس دنیائے فانی سے کوچ کر گئے، مگر اپنی اولاد کو اسلامی سانچے میں ڈھال گئے جس نے دنیا کی معیاری یونیورسٹیوں سے اعلیٰ تعلیم حاصل کی اور اسلام کے تقاضوں کے مطابق زندگی کا سفر جاری رکھا۔ حسن صہیب نے انجینئرنگ کے علاوہ امریکی یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی اور مختلف مراحل طے کرتے ہوئے لاہور آگئے جہاں اپنی عمر کے تیس برس کچھ اِس طرح بسر کیے کہ وہ آنے والی نسل کے لیے رول ماڈل بن گئے ہیں۔

کچھ کر گزرنے اور آگے ہی بڑھتے رہنے کی جو مثال اُنہوں نے قائم کی، وہ ہماری قوم کو کبھی مضمحل نہیں ہونے دے گی۔ اُن کی زندگی میں جو توازن پایا جاتا تھا اور اللہ تعالیٰ نے اُنہیں قلب و نظر کی جو وسعتیں عطا کی تھیں، اُن کی نظیر کم ہی ملتی ہے۔ وہ تحریکی مزاج کے آدمی تھے اور اسلامی جمعیت طلبہ اور جماعت اسلامی میں بہت سرگرم رہے۔

بعض اوقات دینی کاموں کے اندر بہت زیادہ منہمک رہنے والوں کے مزاج میں خشکی اور حد درجہ سنجیدگی آجاتی ہے، مگر حسن صہیب کی شخصیت میں بڑی شگفتگی اور شادابی تھی۔ اُن کے ہونٹوں پر ہر آن مسکراہٹ رقص کرتی رہتی۔
وہ ہر شخص سے نہایت خوش خلقی سے ملتے اور اسے خود اعتمادی کی دولت سے مالا مال کر دیتے۔ اُن کی وسعتِ قلبی کا عالم بھی یکسر منفرد تھا۔ اُن کی کوشش یہ تھی کہ معاشرے میں کشیدگی اور تناؤ کم کیا جائے اور باہمی تعلقات کو فروغ دیا جائے۔

اِسی خیال کے تحت اُنہوں نے اپنی یونیورسٹی میں 'ادبی بیٹھک' کا سلسلہ شروع کیا جس میں ہر طبقۂ فکر کے ادیبوں، دانش وروں اور صحافیوں کو دعوت دی جاتی اور آنے والے حضرات گھنٹوں ایک دوسرے سے باتیں کرتے اور اپنائیت کا لطف اُٹھاتے۔ لاہور میں یہ ناشتہ بے حد مقبول ہوا۔ اِسی طرح اُنہوں نے کتابیں شائع کرنے کا پروگرام بنایا اور سب سے پہلے عبدالقادر جونیجو کا ناول شائع کیا جو اُن کے نظریات سے متصادم تھا۔

حسن صہیب نے 1990ء میں تعلیم کے شعبے میں آنے کا فیصلہ کیا اور ایک مکان کے دو کمروں میں انسٹی ٹیوٹ آف لیڈرشپ اینڈ مینجمنٹ کی بنیاد رکھی اور اسے شب و روز کی محنت سے ایک عظیم الشان یونیورسٹی بنانے میں کامیاب ہوئے جس کا شمار عالمی معیار کی درس گاہ میں ہوتا ہے۔

ان کی یونیورسٹی میں کم وسائل کے حامل طلبہ کو بڑی تعداد میں وظائف دیے جاتے اور ادیبوں اور صحافیوں کی اولاد کے لیے خصوصی مراعات کا اہتمام کیا گیا تھا۔ حسن صہیب سے جب بھی ملاقات ہوتی، وہ قیادت کے فقدان کو پاکستان کا سب سے بڑا مسئلہ قرار دیتے اور تفصیل سے بیان کرتے کہ یونیورسٹی میں لیڈرشپ کی مینجمنٹ پر خاص توجہ دی جارہی ہے۔

اُن کی رائے میں قیادت کا علم، تخلیقی ذہن اور اخلاقی طاقت کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ اُن کا تخلیقی ذہن نئے آفاق تلاش کرنے میں مسلسل سرگرداں رہا۔ وہ جمود کے سخت خلاف اور اجتہادی فکر کے زبردست حامی تھے۔ اُنہیں نئی نئی کتابیں پڑھنے کا بے حد شوق تھا جس سے اُن کا ذہن کھلا اور بہت زرخیز رہتا تھا۔ اُنہوں نے اپنے صاحبزادے ابراہیم حسن مراد کو قائدانہ کردار ادا کرنے کے لیے تیار کیا۔

اُن کی شخصیت کا یہ روشن پہلو خاص طور پر قابلِ ذکر ہے کہ اُنہوں نے اعلیٰ معیار کی یونیورسٹی بنائی، آئی ایل ایم ٹرسٹ کے زیرِ انتظام کالجوں اور اسکولوں کا ایک مربوط سلسلہ قائم کیا اور 'آفاق' کے نام سے اسلامی نصابِ تعلیم ترتیب دیا، وہ کئی سال یونیورسٹی کے ریکٹر رہے، مگر اپنی ذات کو دوسروں پر مسلط کیا نہ اپنا علمی رعب جمانے کی کوشش کی۔

وہ پیچھے رہ کر کام کرنے کے قائل تھے۔ ایک مرحلے پر اُنہوں نے فیصلہ کیا کہ مجھے اپنی زندگی ہی میں اپنا خلا پُر کرنے کا انتظام کرنا چاہیے، چنانچہ ریکٹر کے لیے اشتہار دیا گیا اور ڈاکٹر محمد اسلم اِس منصب کے لیے منتخب کر لیے گئے جنہیں حسن صہیب پہلے جانتے ہی نہ تھے۔

حسن صہیب کی عظمت کا راز اُن کے تعلق بالقرآن میں پنہاں تھا اور کثرتِ تلاوت سے اللہ کی آخری کتاب کے وہ آدھے حافظ بن گئے تھے۔ یونیورسٹی کی مسجد میں جمعہ کا خطبہ بھی دیتے اور نماز کی امامت بھی کرتے۔ حادثے کے بعد اُنہیں زندگی کے جو لمحات میسر آئے، اُن کے لبوں پر ذکرِ الٰہی جاری رہا۔ مجھے یقین ہے اللہ تعالیٰ اُنہیں جنت الفردوس میں جگہ دے گا۔

بشکریہ جنگ

خودکلامی۔۔۔زبیر منصوری

کیاآدمی تھا،نہ رہا! آہ

! وہ جس نے خرم مرادرح جیسے شخص کی تربیت پائی

خود کچھ کرنے کے قابل ہوا تو وطن واپس لوٹ آیا تنہا جدوجہد کا آغاز کیا لاہور کے مختلف دفاتر میں پسینہ سے شرابور پھرتے اسے دیکھنے والوں کا کہنا تھا کہ وہ دُھن کا پکا انسان تھا

بلآخر کامیاب ہوا

ایک بڑاادارہ بنا گیا

اس کے طلبہ میں ہزاروں تو وہ ہیں جو اس کی فری اسکالر شپس پر پڑھے اور اس کا شاگرد کہلانے پر فخر کرتے ہیں

وہ ترجمان میں ''سنابل العلم'' کے نام سے ایک صفحہ بس ایک صفحہ پر علم ودانش کے سمندر بکھیر دیتا تھا جو ہم جیسے طالبعلموں کو خوب خوب سیراب کرتے تھے

مگر میں نے جس روز اسے دراصل پہچانا وہ،وہ دن تھا جب ترجمان القران کے خاص نمبر میں اس نے مرشد مودودی رح کی ORGANISATIONAL DEVELOPMENT

!پر ایک معرکہ الارء تحریر لکھی تھی کمال! کمال! کمال

پیدا کر کے اپنے زمانے سے بہت RESONANCE مجھے اس روز معلوم ہوا تھا کہ اس عہد میں نئی نسل کے ساتھ آگے کھڑی ایک جدید اور موسٹ ماڈرن ٹولز سے آراستہ عظیم الشان تحریک قائم کر دینے والا وہ عبقری کیا کمال کا آدمی تھا

خرم مراد کے اس صدقہ جاریہ بیٹے نے زندگی کا سفر تمام کیا

کسے خبر تھی کہ خنجراب جانے والا یہ قیمتی فرد پھر نہ لوٹے گا اُدھر اونچائی سے بس بلندیوں کی طرف پرواز کر جائے گا

زندگی ہی کو سب کچھ سمجھنے والو

مست مگن لوگو

حسن صہیب مراد بھی لوٹنے کے ارادے سے گیا تھا

مگر۔۔۔۔۔

اور میں اور تم بھی اس بھول میں ہیں کہ یہ حادثہ تو بس حسن کا نصیب تھا ہم تو شاید جینے کے لئے ہی پیدا ہوئے ہیں

ہم بچا لئے جائیں گے

ہم یوں ہی جیتے رہیں گے

ہر موت ہر زندہ کے لئے ایک پیغام ہے

وہ نہیں رہا تم بھی نہیں رہ سکو گے

مالک اسے معاف کر دینا

مالک اس کی قبر کو نور سے بھر دینا

مالک اس سے آسان معاملہ کرنا

کلامی۔۔۔زبیر منصوری #خود

وہ شخص اب یہاں نہیں ملے گا۔۔۔چوپال۔۔ محمد اسلم خان (نوائے وقت)

حسن بھائی کو جانے کس بات کی جلدی تھی کچھ سنے سنائے بغیر اچانک افق کے اس پار چلے گئے ویسے تعجیل حسن صہیب مراد کی شرست میں شامل نہیں تھی۔ڈاکٹر حسن صہیب مراد سے مل کر عجیب سکون اور ٹھہراوٗ کا احساس ہوتا تھا لیکن بیش قیمت گاڑیاں اور برق رفتار ڈرائیونگ ان کی کمزوری تھی جو ان کے صاحبزادے ابراہیم کو بھی منتقل ہوئی۔چند برس پہلے جب پے در پے ابراہیم کی تیز رفتاری کے واقعات سنے اور بھیرہ انٹر چینج کے ایک حادثے میں بیچ بچاوٗ کے لئے اس کالم نگار کو ذاتی طور پر ملوث ہونا پڑا تو حسن بھائی کو تیز رفتاری کی جان لیوا عادت پر گرفت کرنے پر ضرورت سے زیادہ اصرار کیا تھا۔میرے دل ودماغ کے کسی تاریک گوشے میں بدترین خدشات موجود تھے جو گلگت کے حادثے میں حقیقت بن کر سامنے آ گئے۔اب بہت دنوں سے عابد شیر وانی اور مایہ ناز محقق پروفیسر سلیم منصور رابطے کا ذریعہ تھے۔حسن بھائی نے ہر ماہ کی پہلی اتوار ناشتے کی دعوت عام کی روایت کو پروان چڑھایا جو متضاد اور ہم خیال دوستوں کی تقریب ملاقات کا ذریعہ بن چکی تھی۔ UMT کا کیمپس متنوع سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ اس تہذیبی روایت کا امین بھی بن چکا ہے۔حسن بھائی کی ناگہانی رخصت پر دماغ ماوٗف تھا کچھ بھی سوچنے سمجھنے سے قاصر' یوں محسوس ہوتا تھا جیسے ذہن کی یادداشت کے خانے خالی ہو گئے ہیں۔کیا لکھوں کیسے لکھوں طبیعت کچھ یاد کرنے پر آمادہ نہیں تھی۔اسی شش وپنج میں تھا کہ ڈاکٹر تنویر الحسن زبیری' ہمیشہ کی طرح پردہ غیب سے دستگیری کے لئے آن موجود ہوئے،لاہور کے مصروف تشخیص کار (Radiologist) سے ملاقات کچھ یوں ہوتی کہ ملتا ہوں اور اجازت چاہتا ہوں۔انہوں نے ڈاکٹر حسن صہیب مراد کے حوالے سے یادوں کا یادگار دبستان سجا دیا۔متحدہ ہندوستان کی ریاست بھوپال اپنی تاریخ'' تہذیبی وثقافتی ورثے پر بجا طور پہ نازاں تھی،اس زرخیز خطہ سرزمیں نے بہت سی نابغہ روزگار شخصیات کو جنم دیا۔ڈاکٹر عبدالقدیر خان اور حسن صہیب کے والد خرم جاہ مراد ان میں سے انتہائی غیر معمولی انسان تھے۔

حسن مراد نے دور طالب علمی میں ہی اپنا منفرد انداز اور مقام پیدا کر لیا۔میرا ان سے تعارف 1970 کے عشرے میں ہوا۔تب وہ اسلامی جمعیت طلبہ کے رکن تھے۔جب ہم دونوں مجلس شوریٰ کے رکن بنے تو گاڑھی چھننے لگی۔ذوق مطالعہ،ادب دوستی،بذلہ سنجی ہماری دوستی کی بنیادیں تھیں۔میں جب کراچی جاتا کسی بہانے سے گھر پر لے جاتے۔ کبھی ہم برنس روڈ پر لسی پینے جاتے یا برابر میں۔" انڈہ گھوٹالہ" پر ہاتھ صاف کرتے۔انکی ہونڈا سیوونٹی پر ایک مرتبہ ہم دونوں کراچی جمعیت کی کسی شب بیداری میں شریک ہوئے۔واپسی پر بارش نے آن لیا۔ہم راستہ بھر بھیگتے آئے۔سندھ اسلامیہ کالج کے سامنے کڑک چائے کے کھوکھے پر بیٹھ کر گرم گرم چائے کا لطف اور ذائقہ آج بھی مجھے یاد ہے۔وہ نظریاتی دور تھا۔کمیونسٹ تحریک اپنے زوروں پر تھی۔ مقابلے میں جمعیت طلبہ تھی۔جس کی تنظیم بہت منظم اور فعال تھی۔ہر سال یونین کے انتخابات منعقد ہوتے۔طلبہ کی اکثریت جمعیت طلبہ کو پسند کرتی

اور اسکی ہمنوا بنتی۔ پاکستان کے سیاسی، تعلیمی اور صحافتی افق کے بہت سے نمایاں نام اسی شجر سایہ دار کی شاخیں ہیں۔ 1981 میں حسن بھائی کراچی جمعیت اور میں لاہور جمعیت کا ناظم منتخب ہوا۔ کراچی میں جمعیت کا دعوتی اور تربیتی پروگرام بہت منظم تھا۔ میں اکثر معاملات میں ان سے رہنمائی لیتا۔ سیاسی کشمکش میں لاہور اور پنجاب یونیورسٹی جمعیت کو برتری حاصل ہوتی۔ مگر حسن بھائی کے دور میں کراچی جمعیت کو انتخابات میں فقید المثال کامیابی ملی۔

1983 میں ہم دونوں کی تعلیم اختتام پذیر ہو رہی تھی۔ تب کے ناظم اعلیٰ' معراج الدین مرحوم کا اصرار تھا کہ ہم انتخابات تک رک جائیں۔ سرحد اور پنجاب کے طلبہ انجمن کے انتخابات میں جمعیت طلبہ نے کلین سویپ کیا۔ لاہور میں 95% یونینز ہم جیت گئے۔ مارشل لا دور تھا۔ ضیاء الحق اپنے اقتدار کو طول دینے کے لیے غیر جماعتی بنیاد پر الیکشن کروانا چاہتے تھے۔ دینی جماعتوں کی جانب انکا جھکاؤ محض افغان جنگ میں انکی ہمدردیاں سمیٹے اور نوجوان مجاہدین کی کمک بھرتی کرنے تک محدود تھا۔ سیاسی پنڈتوں نے انہیں خبردار کیا کہ جمعیت طلبہ آئندہ سال کے انتخابات میں موثر ثابت ہو سکتی ہے۔ یونین انتخابات کے انعقاد کے محض دو ہفتے کے اندر جنرل فضل حق اور جنرل جیلانی نے یونینز پر بلاجواز پابندی عائد کر دی۔ جمعیت نے جماعت اسلامی اور دیگر بہی خواہوں کے مشورے کے علی الرغم بھرپور مزاحمتی تحریک کا آغاز کر دیا۔ فوج سے براہ راست ٹکرانے کا انجام ہمیں معلوم تھا۔ MRD کی احتجاجی تحریک بیسیوں جانوں کا نذرانہ پیش کرنے کے باوجود آخری ہچکیاں لے رہی تھی۔ جماعت کی مجلس عاملہ نے صورتحال کی سنگینی کے پیش نظر اپنا ہنگامی اجلاس طلب کر لیا۔ جمعیت کی شوریٰ' نے جامعہ پنجاب کی یونین کے صدر امیر العظیم، حسن مراد اور مجھے مذاکرات کے لیے منتخب کیا اور فیصلے کا اختیار دیا۔ صبح سے شام تک ہمیں دلائل، پند و نصائح سے قائل کرنے کی مبنی بر خلوص کوشش کی گئی۔ مگر ہم تینوں کا یکساں موقف تھا کہ مارشل لاء حکومت کے آمرانہ اور ناجائز فیصلہ کو تسلیم نہیں کر سکتے۔ ہم لوگوں نے قید و بند اور آزمائش کے راستے کو اختیار کرنے کا فیصلہ کیا۔ حسن مراد کے تاریخی الفاظ مجھے آج بھی یاد ہیں کہ ہمارے اسلاف نے مصلحت کوشی اور اصولوں پر سمجھوتا سکھایا ہی نہیں۔ اپنے جمہوری حق کے لئے قید تو کیا ہم اپنا کیریئر بھی قربان کرنے پہ آمادہ ہیں۔ ان ساتھیوں کا جوان جذبہ فوجی آمروں کو تو نہ جھکا سکا مگر نوجوانوں کی عزیمت اور قربانی کی ایک ناقابل فراموش داستان رقم کر گیا۔ عملی زندگی کی بھول بھلیوں میں کھو جانے کے باوجود ان سے کسی بہانے ملاقات ہو جاتی۔ حسن مراد بلا کے ذہین، حد درجہ محنتی، اخلاص، انہماک اور ایمان کی طاقت سے مالا مال بے لوث شخصیت تھے۔ امریکہ اور برطانیہ سے ماسٹرز اور ڈاکٹریٹ کی ڈگری اعزاز سے حاصل کی۔ شروع میں Descon اور چند بڑے اداروں میں کام کیا مگر خواب گر حسن بھائی کوئی بڑا کام کرنے کے خواہاں تھے۔ معروف درسگاہ ILM کی بنا ڈالی۔ جو آج ایک کامیاب یونیورسٹی کا روپ دھار چکی ہے۔ سیکنڑوں ادارے اس سے منسلک ہیں۔ HEC کی رینکنگ میں یونیورسٹی آف مینجمنٹ اینڈ ٹیکنولوجی) (UMT کا شمار ملک کے چند ممتاز تعلیمی اداروں میں ہوتا ہے۔ ہزاروں ضرورت مند طالبعلموں کی مالی معاونت اور وظائف کا خاموشی سے اہتمام کیا۔ عجب وائس چانسلر تھے ڈاکٹریٹ کی کلاس لینے کے بعد نماز جمعہ کے خطبہ کیلئے منبر رسول پہ متمکن، انتہائی خوش الحانی سے قرآن کی تلاوت کرتے اور تفسیر بیان کرتے۔ میں نے انہیں ہمیشہ مسکراتے ہوئے پایا۔ کبھی غصہ میں نہیں دیکھا۔ ان کا دھیما انداز سب کو گرویدہ بنا لیتا تھا۔ برطانیہ کے مسلمانوں کی سب

سے بڑی اور منظم فلاحی تنظیم مسلم ایڈ کا دائرہ کار دنیا بھر میں پھیلا ہوا ہے۔ قدرتی آفات اور انسانی فلاح، غربت کے خاتمے کے لیے اس تنظیم کی خدمات کو دنیا بھر میں قدر کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ آج سے تقریبا" دس سال قبل پاکستان میں بھی اس کی سر گرمیوں کا آغاز کیا گیا۔ ڈاکٹر حسن مراد اسکے بانی چیئر مین مقرر ہوئے اور مجھے اسکا جنرل سیکریٹری نامزد کیا گیا۔ اس حوالے سے ان سے تجدید تعلق ہوا۔ تنظیم کو خوش اسلوبی سے چلانے۔ اسکے معیار کار کو بلندیوں پر پہنچانے میں انکی شبانہ روز کوششوں کا گہرا دخل ہے۔ اس دوران ان کے ہمراہ سفر و حضر کے مواقع میسر آتے۔ میں ہر ملاقات میں ان سے فیض یاب ہوتا۔ ان سے دوستی میرے لئے سدا اکا افتخار اور اعزاز ہے۔ ڈاکٹر نوشابہ حسن انکی اہلیہ، کراچی کے معروف ڈاکٹر اظہر کی صاحبزادی ہیں۔ ڈاؤ میڈیکل کالج سے طب کا امتحان اعزاز سے پاس کیا۔ شادی کے بعد لاہور آنا پڑا۔ گھر داری، مہمان نوازی اور بچوں کی تعلیم و تربیت میں ایسے منہمک ہوئیں کہ اپنے شعبہ پر توجہ نہ دے پائیں۔ اس کا حسن بھائی کو قلق تھا۔ 2005 میں مجھے یاد کیا اور دیر تک انکی سپیشلائزیشن کے بارے میں مشورہ کرتے رہے۔

ڈاکٹر صاحبہ نے میری نگرانی میں MSc

الٹرا ساؤنڈ مکملکی، بہترینطالبعلمکا اعزاز حاصلکیا اور اپنیپریکٹسکا آغاز کر دیا۔ حسنبھائیانکیکامیابیپر بہتمسرور تھے۔ وہانکے لئے ایکہسپتال بنانے کے بھیخواہاں تھ ے۔ ڈاکٹر نوشابہنے اپنے دونوں بچوں ابراہیم اور مریم کی بہترین اسلوب پر تربیت کی۔ دونوں نے بیرون ملک کی نامور یونیورسٹیز سے اعلی' تعلیم حاصل کی۔ دونوں میاں بیوی محبت اور احترام کے مثالی تعلق کا نمونہ تھے۔ اکثر معاملات میں مجھ سے مشورہ کرتے۔ میں بھی اہم امور میں ان سے رہنمائی لیتا۔ ہمیشہ اپنے نپے تلے انداز میں صائب مشورہ دیا کرتے۔ مجھے یہ اعزاز حاصل ہے کہ میں انکے والدین اور انکے اہل خانہ کے معاملات میں شامل رہا۔ شیریں زبان، خوش الحان، سوز دل و سود زیاں سے خود آگاہی کے سفر پہ رواں، محفلوں کی جان، دوستوں پر مہربان، نرم دم گفتگو، گرم دم جستجو، رزم ہو کہ بزم ہو۔ پاک دل و پاک باز، کم ہی دوستوں کو علم ہو گا کہ حسن بھائی نے گذشتہ چند سالوں میں نصف قرآن مجید کے حفظ کی سعادت حاصل کی۔ سچے موحد اور پکے عاشق رسول۔ مجھے انکے ایکسیڈنٹ کی اطلاع کراچی کے معروف کارڈیالوجسٹ ڈاکٹر شجاعت کے ذریعہ ہوئی۔ تب میں جہاز میں سوار عازم لاہور تھا۔ میرا وجود پہلے تو چکرا گیا اور اگلے لمحے کرچی کرچی ہو گیا۔ بھادوں کے آخری دن آنکھوں میں ساون اتر آیا۔ زندگی کی بے ثباتی اور عجب سے خوف نے مجھے ماؤف کر دیا۔ ہر روزراتکوخوابمیںاوردنکوخیالوںمیںماضیکیخوشگواریادیںآنگھیرتیہیں۔ انکا ہنستا مسکراتا چہرہ چشم تخیل میں وارد ہو جاتا ہے۔ مگر قضا کے مسافر کب لوٹ کے آتے ہیں۔ اب تو ان سے ملنے خود برزخ جانا ہو گا۔ دیکھیں کب باری آتی ہے۔ موت اک ایسا گنجلک معمہ ہے جو نہ سمجھنے اور نہ سمجھانے کا۔ انسانی ذہن نے موت کے فسوں کے گرد اڑتے غبار میں بے طرح ہاتھ پیر مارے۔ مگر اس ظالم نے کسی کی نہ چلنے دی۔ انکے صاحبزادے ابراہیم مراد آخری لمحات کی دلخراش داستان سناتے ہوئے بولے کہ حادثہ کے بعد جب وہ انکی جانب متوجہ ہوا تو انکی زبان پر ذکر الہی تھا اور شہادت کی انگلی اٹھی ہوئی تھی۔ یوں وہ شہادت کی مراد پا گئے۔ اللہ سبحان کا نام باقی رہ گیا۔

ڈاکٹر زیباو قار وڑائچ

کیا کیا صورتیں تھیں جو خاک میں پنہا ھو گیئں۔۔

ھم سب کے محسن و ھر دلعزیز

محترم خرم مراد مرحوم کے بیٹے

حسن صہیب مراد صاحب کی وفات کی خبر ھم سب کو اشکبار کر رھی ھے۔۔۔

حدیث مبارکہ کا وعدہ ھے کہ جب کسی میت کے پس ماندگان اس کی اعلی صفات کی تذکرہ کرتے ھیں تو یہ گواھی انکے حق میں قبول ھوتی ھے۔۔

کتنے خوش نصیب اور قابل رشک ھیں یہ باپ بیٹا کر آج کثرت سے انکا ذکر خیر ھر زبان پر جاری ھے۔۔۔

شعور حیات، نالہ نیم شب۔۔۔

اور بہت سے بیش بہا علمی خزانوں کے مصنف۔۔۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

" جب آدمی فوت ھو جاتا ھے تو اسکے عمل کا سلسلہ منقطع ھو جاتا ھے،

صرف تین عمل جاری رھتے ھیں،

* وہ علم نافع جو وہ لوگوں کو سکھا گیا

* وہ مال جو وہ اللہ کی راہ میں خرچ کر گیا

* وہ نیک صدقہ جاریہ اولاد جو اسکے پیچھے اسکے لیے بخشش کی دعا کرتی رہی۔۔۔"

یہ خوش نصیب ان سب ھی کا حصہ چھوڑ گئے۔۔۔

آج سے تیرہ سال پہلے جب میرا بیٹا امریکہ اعلی تعلیم حاصل کرنے جا رھا تھا تو میں نے اسے

تفہیم القرآن کے ساتھ شعور حیات دے کر اسکے ایک article کو روزانہ پڑھنے کی تاکید کی تھی۔۔۔

کیونکہ مصنف وہ باپ تھا جس نے ایسے بہترین بیٹے کی تربیت کی۔ مجھے امید تھی کہ انکی تحریر میرے بیٹے کی تربیت و تزکیہ کا ذریعہ بھی بن جائے گی۔۔۔

محترم خرم صاحب مرحوم نے حرم میں بیٹے کی شہادت کی دعا کی تھی۔۔۔۔

یاد رکھئے گا والد کی دعا اولاد کے حق میں قبول ھوتی ھیں۔۔۔۔

لیکن آنکھوں کے تاروں اور بڑھاپے کے سہاروں کی شہادت کی دعائیں کرنا انبیا اور صالحین کا شیوہ ھے۔۔۔

آج محرم کا آغاز ھے۔۔۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو انکی زندگی میں انکے نواسے کی شہادت کی خوشخبری بھی دی گئی تھی اور مقتل کی مٹی بھی دکھائی گئی تھی۔

آج ایسے افراد قرون اولی کے نمونوں کی یاد تازہ کرتے اور ایمان کو زندہ کرتے ھیں۔۔۔

میں اپنی اجتماعی دعائوں میں ھمیشہ دعا کیا کرتی ھوں۔۔۔

"الٰہی ھمارے گھرانوں کو بھی دین کی خدمت اور اعلیٰ کلمۃ اللہ کے لیے ویسے ھی چن لے جیسے تو نے اپنی خاص نظر رحمت سے

حضرت ابرھیم علیہ السلام

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

کے گھرانوں کو منتخب کر لیا۔۔۔"""

خرم مراد مرحوم کا گھرانہ ان چنے جانے والے گھرانوں میں سے ھے۔۔۔

اللہ چنتا بھی انھی کو ھے جو اپنے آپ کو پیش کرتے ھیں۔۔۔

اس باپ کی وصیت اولاد کے نام ھم سب نے پڑھ رکھی ھے۔۔۔۔

حضرت ابراھیم علیہ السلام کی وصیت اپنی اولاد کو۔۔۔

وَوَصَّىٰ بِهَا إِبْرَاهِيمُ بَنِيهِ وَيَعْقُوبُ يَا بَنِيَّ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ لَكُمُ الدِّينَ فَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ۔(سورۃ البقرۃ)

توجب

داعائوں میں

التجائوں میں

تمنائوں میں

وصیتوں میں

سب ھی میں اتنا خلوص، لگن، تڑپ اور

ذوق وشوق ھو جنت کے حصول کا۔۔۔

تو اللہ تو مجیب الدعائ ھے

اسے خالی ھاتھ لوٹاتے تو حیا آتی ھے۔۔۔۔

الٰہی آج مجھ جیسی ناقص العمل اور کمزور ایمان والی کی دعائیں اس گھرانے کے حق میں قبول فرما۔

الٰہی باپ بیٹے کی عارضی زندگی کی عارضی جدائی کو جنت کے بالاخانوں کے محلات میں ملاقات سے دور کر دینا۔۔

الٰہی اس گھرانے کی تمام کاوشیں، محنتیں، ریاضتیں، عبادتیں اور قربانیاں قبول فرما کر کئی گنا اجر عطا فرمانا۔

قیامت کے دن ان کے حق میں فرما دینا

يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ {27}

ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً {28}

فَادْخُلِي فِي عِبَادِي {29}

وَادْخُلِي جَنَّتِي {30}

(سورۃ الفجر)

الٰہی نوجوان بیٹے ابراھیم کے حق میں دادا، والد اور ھم سب کی دعائیں قبول فرمانا۔۔

الٰہی اس بچے کو شفا عاجلہ کاملہ عطا فرما کر گھرانے کے لیے صدقہ جاریہ بنادے۔

الٰہی پسماندگان کو ایمان اور صبر جمیل عطا فرما۔۔

الٰھی تو ان مجاھدوں کے گھر والوں کا محافظ نگران اور وکیل بن جا۔۔۔

الٰہی ھمیں بھی سفر عدم کی یاد دھانی عطا فرمادے۔۔۔

يَا أَيُّهَا الْإِنسَانُ إِنَّكَ كَادِحٌ إِلَىٰ رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلَاقِيهِ

84:6

دنیا کے اے مسافر منزل تیری قبر ھے

دو گز زمیں کا چھوٹا سا تیرا گھر ھے۔۔۔۔

ھم وفات کی خبر سن کر سمجھتے ھیں کہ موت شاید دوسرے کے لیے ھے۔۔۔۔

ظالم تجھے گھڑیال یہ دیتا ھے منادی

گھڑی عمر کی گردوں نے اک اور گھٹادی۔۔۔۔

دعا گو اور دعائوں کی طالبہ

(ڈاکٹر زیبا وقار)

مراد کی مراد۔۔۔۔۔ محمد حسان

انقلابی شاعر افضال صدیقی نے یو ایم ٹی کے مرحوم چیئرمین ڈاکٹر حسن صہیب مراد کو خراج تحسین عقیدت پیش کرتے ہوئے "جو نظم لکھی اس کا پہلا مصرعہ کیا ہی کمال لکھا ہے "مراد کی مراد تھا حسن صہیب نام تھا

میری نظر میں یہ جملہ اپنے اندر معنویت کا سمندر لئے ہوئے ہے۔

حسن صہیب صرف اپنے عظیم والد خرم مراد کی ہی مراد نہ تھے بلکہ یہ باپ بیٹا دونوں ہی در حقیقت اپنے مرشد سید مودودی کی مراد بھی تھے۔

سید مودودی کی مراد کیا تھی؟

صدی کے رجل عظیم نے کس کام میں اپنی زندگی کھپائی۔۔؟

سید ابوالاعلیٰ مودودی کی جدوجہد دراصل اسلامک سسٹم کو نافذ کرنے جدوجہد تھی۔ یہ کام ان کی نظر میں وہی افراد کر سکتے تھے جو دینی اور دنیاوی تعلیم دونوں میں مہارت رکھتے ہوں۔ دین اسلام کو فرقہ بندیوں سے بالاتر ہو کر اس کے تمام تقاضوں کو دور جدید کے مطابق پیش کرنے کی اہلیت رکھتے ہوں اور دنیاوی اعتبار سے بھی جدید علوم سے آراستہ اور ممتاز حیثیت رکھتے والے ہوں۔ سید مودودی کے مطلوب افراد صرف روایتی مسلمان یا عام انسان نہیں بلکہ بہترین مسلمان ڈاکٹر، بہترین مسلمان انجینئر، بہترین مسلمان سائنسدان، بہترین مسلمان صحافی بہترین مسلمان بزنس مین، بہترین مسلمان سیاستدان، بہترین مسلمان فوجی، بہترین مسلمان بیوروکریٹ اور بہترین مسلمان قانون دان ہیں۔

حسن صہیب کے والد خرم مراد سید مودودی کے اسی ویژن کی کامیاب ترین مثال تھے۔ اور ان کے بعد حسن صہیب مراد بھی نہ صرف اپنے والد کی مراد بنے بلکہ مرشد مودودی کے دستے کے سپاہی بن کر ملک وملت کے سچے خیر خواہ اور معاون ثابت ہوئے

خرم مراد نے 1953 میں این ای ڈی کراچی سے انجینئرنگ کی۔ 1957ء میں یونیورسٹی آف مینی سوٹا امریکہ میرٹ پر اسکالر شپ پر گئے اور سول انجینئرنگ میں ایم ایس کی ڈگری اول پوزیشن کے ساتھ حاصل کی۔ ممتاز سول انجینئر کے طور پر بڑی ملٹی نیشنل کمپنیوں میں کام کیا۔۔۔ڈھاکہ میں ملازمت رہی پھر برطانیہ میں رہے اور سعودی عرب میں بیت اللہ کی تعمیر کے پروجیکٹ میں کام کی سعادت بھی حاصل کی۔۔۔۔۔ دنیاوی اعتبار سے ممتاز سول انجینئر، دینی اعتبار سے بھی امت کے قائد اور

رہنما تھے۔ خرم مراد زمانہ طالب علمی میں اسلامی جمعیت طلبہ کے ناظم اعلیٰ بھی رہے۔۔ جماعت اسلامی ڈھاکہ کے امیر تھے کہ 70 میں جنگی قیدی بھی بنے، برطانیہ میں یو کے اسلامک مشن کی بنیاد رکھی۔ امریکہ ویورپ میں بے شمار علمی و تحقیقی مقالے، اور جریدے لکھے مکالموں سیمینارز کانفرنسوں میں علمی و فکری خطابات کیے۔ واپس آکر جماعت اسلامی لاہور کے امیر اور پھر مرکزی نائب امیر رہے۔ خرم مراد نے اپنی فکر اور خیالات سے دین کو بہت آسان انداز سے پیش کیا اور قرآن کے پیغام کو عام کیا۔

اتنے بڑے پروفائل کی حامل عظیم شخصیت کے گھر حسن صہیب مراد کی پیدائیش ہوتی ہے تو حسن صہیب بھی حقیقی معنوں میں اپنے والد کی مراد بنتے ہیں، این ای ڈی یونیورسٹی کراچی سے انجینئرنگ، واشنگٹن یونیورسٹی سے ایم بی اے اور یو کے سے پی ایچ ڈی کی ڈگری ان کی شاندار تعلیمی قابلیت کی علامت بنیں۔ حسن صہیب مراد نے زمانہ طالبعلمی میں اسلامی جمعیت طلبہ کراچی کے ناظم بن کر طلبہ کی قیادت کی۔ اور پھر عملی زندگی میں اسکولز کالجز کے نیٹ ورک قائم کرتے ہوئے عظیم الشان یونیورسٹی کی بنیاد رکھی جو اب پاکستان کے ایک ممتاز تعلیمی ادارے کے طور پر اپنی خدمات سرانجام دے رہی ہے۔

یہی خرم مراد کی اور سید مودودی کی مراد تھی کہ پی ایچ ڈی کو مینجمنٹ سائنس پڑھانے والا استاد جمعے کا خطبہ بھی دے سکے۔۔ نوجوان نسل کو جدید تعلیم سے آراستہ کرنے والا، معاشرے کو دین کے تقاضے بھی جدید انداز سے سمجھا سکے کہ وہ اللہ کا قرب حاصل کرنے والے بن جائیں۔

حسن صہیب مراد سے میری چند ملاقاتیں ہی تھیں۔۔۔ میں زمانہ طالبعلمی کے دوران لاہور جمعیت کے ایک علاقہ کا ناظم تھا ۔۔۔ ہماری تنظیمی ٹیم میں ایک رکن ساتھی نے ایم بی اے کیلئے یو ایم ٹی میں داخلہ لیا۔ مگر وہ فیسیں ادا کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا، مجبوراً اس کی والدہ نے زیور بیچنے کیلئے دے دیا۔۔ نوجوان جذباتی ہو کے میرے سامنے رو پڑا کہ ناظم صاحب میں والدہ کا زیور نہیں بیچنا چاہتا۔۔ میرا اپنا دل بھی بہت بھاری ہو گیا، میں نے حسن صاحب کو ایک صفحے کا مختصر مگر سخت سا لیٹر لکھ دیا۔ اگلے دن میرے فون پر ان کا میسیج آیا کہ " یونیورسٹی آکر مجھے مل لیں" ۔۔ میں انکے اسٹاف سے کوئی وقت طے کئے بغیر یونیورسٹی گیا تو پتہ چلا کہ کسی فیکلٹی کی میٹنگ کو چیئر کر رہے ہیں۔۔ اسٹاف نے ملنے نہیں دیا کہ ابھی ممکن نہیں۔۔۔ میں نے انکو میسیج کیا کہ میں باہر کھڑا ہوں اور اسٹاف ملنے نہیں دے رہا۔۔۔ مجھے خود بھی لگا کہ میں ذرا بد تمیزی کر رہا ہوں۔۔۔ مگر میں حیران ہو گیا کہ حسن صاحب خود باہر آگئے اور مجھ سے بڑے پیار سے بات کرنے لگے۔۔ ان کو باہر دیکھ کر ہر گزرنے والا ان سے سلام دعا کرنے لگا اور ہمیں بات کرنا مشکل ہو گئی۔۔ ایک دو اساتذہ نے قریب آکر اپنے کام اور مسئلے بھی حل کروالئے وہی

کھڑے کھڑے۔۔انہوں نے میری بات سنی اور ہمارے ساتھی کی تقریبا اسی فیصد فیس معاف کر دی۔
اس کے بعد ایک عرصے تک میں جب کبھی بھی سلام دعا کیلئے حسن صاحب کے سامنے آیا تو مجھے اپنی سابقہ بے باکی پر شرمندگی محسوس ہوتی مگر حسن صاحب نے کبھی خود کچھ بھی محسوس نہ کروایا۔

ایک بار ابو نے ان سے ملنا تھا مجھے ساتھ لے گئے، ریکٹر آفس میں ملاقات کا وقت اور پروٹول وغیرہ کے تقاضے تھے، ابو کو دیکھ کر اسٹاف ذرا پریشان ہوا کہ حسن صاحب ابھی مصروف ہیں اور ابو کو ویٹنگ روم میں بٹھانا مناسب نہیں تھا، ذرا سی سش وپنج کے بعد ابو کیلئے حسن صاحب کے آفس کا دروازہ کھول دیا گیا کہ آپ سامنے صوفے پر بیٹھ جائیں، حسن صاحب ذرا مصروف ہیں ، ہم وسیع و عریض آفس میں اندھیرا تھا ایک طرف ہلکی روشنی تھی۔ حسن صاحب اپنی آفس سیٹ کے بجائے سائیڈ کے صوفے پر ایک شخص کے ساتھ بیٹھے تھے، ہم خاموشی سے سامنے آکر بیٹھ گئے۔۔۔ حسن صاحب آنکھیں بند کئے انتہائی خوش الحانی سے قرآن کی تلاوت کر رہے تھے،۔ تلاوت مکمل ہوئی تو حسن صاحب کے حکم پر اافس کی لائیٹس آن کر دی گئیں۔ سامنے ہمیں بیٹھے دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور ابو کا بڑی محبت اور گرمجوشی سے استقبال کیا۔

ابو کے پوچھنے پر بتایا کہ یہ بہت نامور قاری صاحب ہیں، پاکستان آئے تھے، ملاقات کیلئے آئے تو میں نے سوچا قرآن سنایا جائے اور اپنی اغلاط کی اصلاح کروالی جائے۔۔ قاری صاحب کہنے لگے میں تو خود حیران ہوں آپ کی قرات سن کر ماشاللہ بہت ہی خوب تلاوت کی ہے آپ نے۔

جنازے میں حسن صاحب کے بڑے بھائی نے بتایا کہ کم ہی لوگ جانتے ہیں کہ حسن صہیب نے آدھے سے زیادہ قرآن حفظ کر رکھا تھا، انہیں قرآن پڑھنے کا شوق تھا اور وہ کئی سالوں سے وقت نکال نکال کر قران یاد کرتے رہتے تھے۔
ایک مرتبہ امریکہ سے واپسی پر حسن صاحب کا قرآن ہوٹل رہ گیا، جہاز ٹیک آف کرنے سے پہلے خیال آیا تو فورا ہوٹل فون کر کے قرآن کو حفاظت سے محفوظ رکھنے کا کہا اور امریکہ میں موجود اپنے بھائی سے کہا کہ فلاں ہوٹل سے میرا قرآن لے لیں، انہوں نے بمشکل کچھ عرصے بعد وہاں جا کر قرآن لے لیا اور پاکستان میں حسن صاحب سے رابطہ کیا کہ یہ آپ کو بھجوانا ہے تو حسن صاحب کہنے لگے نہیں اپنے پاس ہی رکھیں، وہاں سے اٹھوانے کا مطلب یہ تھا کہ ہوٹل انتظامیہ محض ایک کتاب سمجھ کر بے حرمتی نہ کرتی رہتی۔

حسن صاحب سے آخری ملاقات انکے جوہر ٹاون والے گھر میں ہوئی تھی، انکی اہلیہ ڈاکٹر نوشابہ حسن نے غریب بچوں کی تعلیم کیلئے کام کرنے والی این جی او بیٹھک اسکولز سسٹم کی ایک میٹنگ اپنے گھر رکھی ہوئی تھی، جس میں میں بھی کور ٹیم ممبر کی حیثیت سے مدعو تھا۔ میٹنگ کے بعد کھانے کے دوران اچانک حسن صاحب بھی گھر آ گئے، گزرتے ہوئے ڈرائنگ روم میں نظر ڈالی تو اندر آ کر ہم سے ملے۔ پھر ہمارے ساتھ ہی کھانے میں شریک ہو گئے اور بیٹھک اسکولز سسٹم بارے معلومات لیں جس کے بعد مفید مشورے دینے لگے کہ کیسے غریب بچوں کی اکثریت کو تعلیمی دھارے میں شامل کیا جا سکتا ہے، حسن صاحب میرے ساتھ ہی بیٹھے تھے مجھ سے ابا جی کا حال چال پوچھتے رہے ہیں اور پھر پوری تفصیل سے ابو کے بارے میں تاثرات بیان کرتے رہے۔۔۔ اور پھر کہنے لگے کہ بہت دل کرتا ہے کہ آپ کے گھر آؤں اور آ کر ہمایوں صاحب کے پاس بیٹھوں۔۔۔ مگر کاموں سے فرصت نہیں ملتی۔ پھر اپنے مخصوص اسٹائل سے سر ہلاتے ہوئے کہنے لگے بس جلد ہی آؤں گا۔۔۔

لگتا تھا کہ حسن صاحب نے اپنے ذات کو وقت دینے کا تہیہ کر لیا تھا۔ کاروباری مصروفیات سے آہستہ آہستہ ہاتھ کھینچنے لگے تھے، اپنے ہاتھ سے لگائے گئے پودے یو ایم ٹی کے آپریشنز سے خود کو علیحدہ کر کے صرف اعزازی عہدے تک مرتکز ہو گئے تھے۔ وہ اپنے مرشد سید مودودی کی تحریک کو اب پہلے سے زیادہ یکسوئی سے وقت دینا چاہتے تھے۔

مگر شاہد جنت میں اُن کے ساتھی اور دوست ان سے ملنے کیلئے زیادہ بے تاب ہو رہے تھے کہ اللہ نے اپنی جنت کے مکینوں کا خیال رکھتے ہوئے انہیں اپنے پاس بلا لیا۔۔

مسکراہٹ حسن صاحب کی شخصیت کا لازمی جزو تھی۔۔۔ رات ہی فیملی کے ساتھ ماڈل ٹاون لنک روڈ سے گزرتے ہوئے بل بورڈ پر نظر پڑی۔۔ یو ایم ٹی میں داخلے کے اشتہار تھا، طلبہ و طالبات کی تصاویر لگی تھی۔۔ میں نے بورڈ دیکھا تو مجھے تو ان کے درمیان حسن صاحب کا مسکراتا چہرہ ہی دکھائی دینے لگا تھا۔۔

نم آنکھوں کے ساتھ فاتحہ پڑھتے ہوئے دعا کی اللہ انہیں اسی طرح ہنستا مسکراتا اپنی جنتوں میں شاد و آباد رکھے۔۔۔

کہ وہ اپنے والد خرم مراد اور مرشد سید مودودی کی مراد تھے۔

(تحریر محمد حسان)

MansoorAsghar

اناللہ وانا الیہ راجعون۔۔۔۔۔یقین نہیں آرہا کہ ڈاکٹر حسن صہیب مراد اب ہم میں نہیں رہے۔ابھی کل ہی کی بات ہے کہ ہمارے ایم فل کے دوسرے سمیسٹر کے اختتام سے قبل آخری کلاس میں وہ اپنی بیگم صاحب کے ہمراہ تشریف لائے حالانکہ اس روز اتوار تھا۔ ان کا وہ خصوصی لیکچر ہمیں ابھی تک یاد ہے جس میں انہوں نے خاص طور پر فتنہ انکار حدیث پر بڑی خوبصورت گفتگو فرمائی۔اور ہم پر تو ان کا ذاتی طور پر احسان تھا۔پہلا سمیسٹر اختتام کے قریب تھا کہ رجسٹرار آفس نے ایک چھوٹی سی اڑچن ڈال کر ہمارا داخلہ منسوخ کر دیا۔ہم نے ڈائریکٹر سیرت چیئر سے بات کی تو انہوں نے بھی معذوری ظاہر کر دی۔اسی دوران میں ڈاکٹر صاحب کے سٹاف میں سے ایک صاحب نے ہمیں ان کا ذاتی ای میل آئی ڈی دیا جس پر آنے والی میلز کو وہ بذات خود پڑھتے تھے۔اس وقت ڈاکٹر صاحب اہلخانہ کے ہمراہ سفر عمرہ پر تھے۔ہم نے اگلے روز انہیں ای میل ارسال کی جس میں مسئلہ بھی پیش کیا۔لیکن دل میں یہی وہم جاگزیں تھا کہ کہاں ریکٹر یونیورسٹی اور کہاں یہ طالب علم۔۔۔ہماری ای میل کو کس نے پوچھنا ہے۔لیکن ہماری حیرت کی انتہا نہ رہی جب اگلے روز ڈپارٹمنٹ سے ہمیں فون کر کے بتایا گیا کہ رجسٹرار آفس نے آپ کا داخلہ کنفرم کر دیا ہے۔تب انکشاف ہوا کہ ڈاکٹر صاحب نے نا صرف ہماری ای میل پڑھی بلکہ حرمین شریفین سے ہی رجسٹرار آفس کو ہمارا مسئلہ فوری طور پر حل کرنے کی ہدایت بھی فرمائی۔رب نے انہیں سیرت اور صورت دونوں کی خوبصورتی سے نوازا ہوا تھا۔ان کی موت کی خبر سنتے ہی دل درد سے بھر گیا ہے۔بلاشبہ ان کی حادثاتی موت علمی, ادبی, دینی اور تعلیمی حلقوں کے لئے بہت بڑا نقصان ہے۔اللہ ڈاکٹر صاحب کی آخرت کی منزلیں آسان فرمائے اور ان کے بیٹے کو جلد صحت یاب فرمائے۔

(منصور اصغر)

کیاآدمی تھا،نہ رہا! آہ۔۔۔۔شازیہ ناز

کیاآدمی تھا،نہ رہا! آہ

وہ جس نے خرم مرادرح جیسے شخص کی تربیت پائی !

خود کچھ کرنے کے قابل ہوا تو وطن واپس لوٹ آیا تنہا جد وجہد کا آغاز کیا لاہور کے مختلف دفاتر میں پسینہ سے شرابور پھرتے اسے دیکھنے والوں کا کہنا تھا کہ وہ دُھن کا پکا انسان تھا

بلآخر کامیاب ہوا

ایک بڑا ادارہ بنا گیا

اس کے طلبہ میں ہزاروں تو وہ ہیں جو اس کی فری اسکالر شپس پر پڑھے اور اس کا شاگرد کہلانے پر فخر کرتے ہیں

وہ ترجمان میں ''سنابل العلم'' کے نام سے ایک صفحہ بس ایک صفحہ پر علم ودانش کے سمندر بکھیر دیتا تھا جو ہم جیسے طالبعلموں کو خوب خوب سیراب کرتے تھے

مگر میں نے جس روز اسے دراصل پہچانا وہ، وہ دن تھا جب ترجمان القران کے خاص نمبر میں اس نے مرشد مودودی رح کی ORGANISATIONAL DEVELOPMENT پر ایک معرکہ الارء تحریر لکھی تھی کمال! کمال! کمال!

مجھے اس روز معلوم ہوا تھا کہ اس عہد میں نئی نسل کے ساتھ RESONANCE پیدا کر کے اپنے زمانے سے بہت آگے کھڑی ایک جدید اور موسٹ ماڈرن ٹولز سے آراستہ عظیم الشان تحریک قائم کر دینے والا وہ عبقری کیا کمال کا آدمی تھا

خرم مراد کے اس صدقہ جاریہ بیٹے نے زندگی کا سفر تمام کیا

کسے خبر تھی کہ خنجراب تفریح کے لئے جانے والا یہ قیمتی فرد پھر نہ لوٹے گا اُدھر اونچائی سے بس بلندیوں کی طرف پرواز کر جائے گا

زندگی ہی کو سب کچھ سمجھنے والو

مست مگن لوگو

حسن صہیب مراد بھی لوٹنے کے ارادے سے گیا تھا

مگر۔۔۔۔۔

اور میں اور تم بھی اس بھول میں ہیں کہ یہ حادثہ تو بس حسن کا نصیب تھا ہم تو شاید جینے کے لئے ہی پیدا ہوئے ہیں

ہم بچا لئے جائیں گے

ہم یوں ہی جیتے رہیں گے

ہر موت ہر زندہ کے لئے ایک پیغام ہے

وہ نہیں رہا تم بھی نہیں رہ سکو گے

مالک اسے معاف کر دینا

مالک اس کی قبر کو نور سے بھر دینا

مالک اس سے آسان معاملہ کرنا

ShaziaNaz

بیگم کلثوم نواز اور ڈاکٹر حسن صہیب مراد اور پاکستانی میڈیا۔۔۔ تحریر : حسن الامین

کل اس ملک میں ایک نہیں بلکہ دو فوتگی کی دو خبریں زبان زد عام ہونی چاہئے تھیں: ایک بیگم کلثوم نواز کے موت کی اندوہناک خبر اور دوسری ڈاکٹر حسن صہیب مراد۔ لیکن افسوس پڑھنے، دیکھنے اور مسلسل و متواتر ٹی وی پر گھنٹوں تک ڈسکس ہونے کو ایک ہی ملی۔۔۔۔ اور وہ تھی بیگم کلثوم نواز کی خبر۔۔۔۔ اس خبر کی اہمیت اور نیوز ویلیو سے انکار نہیں؛ اس سے بھی انکار نہیں کہ وہ ایک باکمال خاتون تھیں؛ میڈیا کی خبریت کے حوالے سے زیادہ توجہ دینے کی ریت سے بھی اچھی طرح واقف ہوں اور علی ھذا القیاس۔۔۔۔۔ لیکن جو بات کہنا مقصود ہے وہ یہ ہے کہ کل اس ملک میں ایک اور اہم انسان اور مفید انسان ایک روڈ حادثے میں انتقال کر گئے جن کا نام ڈاکٹر حسن صہیب مراد تھا اور جن کی اصل کنٹریبیوشن تعلیم کے میدان میں تھی۔ انہوں نے اپنے پیچھے ایک بڑی یونیورسٹی چھوڑی جس میں سینکڑوں لوگوں کو روزگار ملا اور جہاں ہزاروں بچے تعلیم حاصل کر رہے ہیں، اس کے علاوہ وہ کئی سرمایہ کاری منصوبوں کے بانی بنے جس کا امپیکٹ اس ملک کی معیشت اور اقتصادی نمو پر ہو رہا ہے۔

کل رات جب میں سونے کی تیاری کر رہا تھا تو جیو ٹی وی (اور اس طرح دیگر چینلز) پر جو اخری شو چل رہا تھا وہ بیگم کلثوم کی وفات کا تھا۔ یہ سلسلہ کم و بیش اٹھ گھنٹے سے جاری تھا۔ سوال یہ ہے کہ کیا تعلیم کے میدان میں اتنی بڑی کنٹریبیوشن کرنے والے انسان کے موت کے لئے پانچ منٹ بھی نہیں مل سکتے ؟

یہ وہ غلط سیویفیکیشن civification کا عمل ہے جس سے ہمارا کارپوریٹ میڈیا ہمیں چوبیس گھنٹے گزارتا ہے۔ کم نادانستہ اور غیر شعوری طور پر اس منافع خور اور پروپیگنڈسٹ میڈیا کے قیدی ہیں۔ یہ جس طرف لے جانا چاہتا ہے اس طرف ہمیں دھکیل دیتا ہے اور پھر سماج سے ہی گلہ کرتا ہے کہ اس کی ترجیحات غلط ہیں۔۔۔۔ کل کے دن اور بیگم کلثوم نواز کے جنازے تک اس میڈیا کیمپین کے نتیجے میں ہونے والے اثرات کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اپ اس کے بعد خواتین سے سروے کر کے پوچھ لیں کہ وہ بیگم کلثوم بننا پسند کرینگی یا کوئی ایجوکیشنسٹ۔۔۔ ان کو جواب اول الذکر کے حق میں ہوگا۔۔۔۔

لگے رہو منا بھائی۔ بیڑا غرق کرو اس برباد شدہ سماج کا

کاش اے موت تجھے ہی موت آئی ہوتی۔۔۔۔۔حافظ شفیق الرحمٰن

جناب حسن صہیب مراد چیئر مین یوایم ٹی روڈ حادثے میں جاں بحق ہو گئے... انااللہ واناالیہ راجعون

ایک عہد تمام ہوا... ایک سحر طراز چراغ اور بجھا... ایک غروب ناآشنا آفتاب روپوش ہوا... ایک چہکتا ہوا بلبل خاموش ہوا... مرحوم اپنی ذات میں ایک مکمل انجمن... ایک نورافشاں دبستاں... ایک شرافت مآب مجسم تہذیب... جدت و روایت کا ایک متنفس مرقع... ایک متموج فیض رساں ادارہ اور جہد و ریاضت کا روشن و رخشاں استعارہ تھے. ان کی ناگہانی موت پر دلِ گداختہ رکھنے والے شاعرِ بے بدل اشرف جاوید نے اپنے محسوسات و جذبات کی پلکوں پر دمکنے والے آنسوؤں کو ان رقت خیز اشعار میں گوندھ کر ان کے چاہنے والوں کے جذبات کو زبان دینے کا اعزاز حاصل کیا:

تہذیب و آگہی کا فسانہ چلا گیا

جو بانٹتا تھا علم خزانہ چلا گیا

وہ اپنی ذات میں لیے پھرتا تھا اک جہان

وہ کیا گیا کہ ایک زمانہ چلا گیا

ڈاکٹر حسن صہیب مراد موحوم جہاں بیرونی یونیورسٹیوں سے اعلیٰ تعلیم یافتہ تھے وہیں ان کے دل و دماغ میں اسلامی شعور اور دینی بصیرت رچی بسی تھی۔ انہوں نے یونیورسٹی آف مینجمنٹ اینڈ ٹیکنالوجی کے نام سے لاہور میں جو ادارے قائم کیے، ایسے ادارے پہلے صرف امریکہ و یورپ کی یونیورسٹییوں میں پائے جاتے تھے۔ یہاں ہماری نئی نسل کے طلباء و طالبات کو پوسٹ گریجویٹ کی سطح پر اعلیٰ درجے کی جدید فنی تعلیم سے روشناس کرایا گیا۔ وہ جدید تعلیم کے میدان میں ایک visionary تھے ان کا اصل کمال یہ بھی تھا کہ مینجمنٹ سے متعلقہ مختلف شعبہ جات میں اختصاص کی ڈگریوں کے ساتھ طلباء کو اسلامی شعور سے آشنا کرنے کا اہتمام بھی کرتے۔ انہوں نے اپنی یونیورسٹی کے زیر اہتمام اعلیٰ درجے کے کئی سیمینار بھی منعقد کرائے جن میں بیرونی ممالک سے کئی ماہرین مدعو کر کے ان کی تازہ ترین تحقیقات سے آگہی حاصل کی گئی۔ انہیں پاکستان اور عالم اسلام کے نکتہ نظر سے بھی آگاہ کیا۔ تہذیبوں کی کشمکش کے اس دور میں حسن صہیب مراد اپنے والد اور مولانا مودودی کے فکر انگیز خیالات کی روشنی میں اسلام اور مسلمانوں کی تہذیب کے اعلیٰ مقاصد کو آگے بڑھانے کے لئے بہت فکر مند رہتے تھے۔

ڈاکٹر صاحب کے والد مرحوم خرم جاہ مراد بیسویں صدی میں قرون اولیٰ کا ایک جیتا جاگتا، اجلا اور زرتاب ورق تھے۔ سچ تو یہ ہے کہ وہ شہ کار فکرِ سید تھے۔ وہ ایک بے مثال باپ کے عدیم النظیر بیٹے تھے۔ مرحوم کے والد خرم مراد کا شمار جو اگرچہ پیشے کے اعتبار سے انجینئر تھے بلند پایہ اسلامی دانشوروں میں ہوتا تھا اور وہ کئی کتابوں کے مصنف تھے۔ مفکر اسلام مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے ہمارے عہد میں قرآن وسنت کے مستحکم دلائل کی بنیاد پر جس جدید علم کلام کو فروغ دیا اور اپنی کتابوں کے ذریعے اس کے نور بصیرت کو عام کیا خرم مراد اس کی ایک روشن کرن تھے۔ کی اچانک موت سے ملک و قوم ایک بہت بڑے ماہر تعلیم سے محروم ہو گئے۔ ہم توقع رکھتے ہیں کہ ان کے علمی اور خاندانی ورثاء ان کے جاری کردہ منصوبوں کو آگے بڑھانے اور پایہ تکمیل تک پہنچانے میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کریں گے کیونکہ یہی حسن صہیب مراد کی روح کو خراج تحسین پیش کرنے کا بہترین طریقہ ہو گا۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کرے اور ان کے ورثاء کو صبر جمیل عنایت فرمائے۔ آمین

خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیْہِ رَاجِعُون

ڈاکٹر حسن صہیب مراد کے ٹریفک حادثہ میں شہید ہونے کی خبر کے بعد ان کا ہنستا مسکراتا چہرہ بار بار سامنے آرہا ہے... تب سے دل دکھی اور مضطرب ہے...

آئی ایل ایم اور یو ایم ٹی کے سربراہ، ممتاز ماہرِ تعلیم ڈاکٹر حسن صہیب مراد ہمارے زمانہ رکنیت اسلامی جمعیت طلبہ میں ہمارے ناظم کراچی تھے ...

ہمیں اسکول کے زمانہ ہی میں جون جولائی کی تعطیلات میں دفتر جمعیت 23 عبدالمالک شہید روڈ صبح 10 بجے سے 1 بجے تک کھولنے کی ذمہ داری مل گئی تھی اور پھر جب ہم ایڈیٹر ماہنامہ "ساتھی" بننے سے پہلے برادر شاہد رفیع مجاہد اور خالد نیازی کے ساتھ معاون ایڈیٹر رہے تھے تو ان سے روزانہ ہی ملاقاتیں اور سلام دعا رہتی...

اس دور میں جمعیت کے اجتماع ارکان، مختلف تربیتی پروگرامات, شرف آباد کمیونٹی سینٹر کے تربیتی کیمپوں میں اور جمعیت کے ورکرز کے کردار کو مزید بہتر بنانے کے لیے ان کے دور میں '' تجدید رفاقت'' کی مہم میں ہم نے حسن بھائی سے بہت کچھ سیکھا ...

اس زمانے میں ایک بار ''نائی'' صاحب نے ہماری داڑھی جو پہلے ہی مختصر تھی، خوب چھوٹی کردی... اگلے ہی روز ان سے '' کیفے کیپٹل'' پاکستان چوک پر مکھن دال فرائی کھاتے ہوئے ملاقات ہوئی تو کھانے کی ٹیبل پر وہ ہمیں بار بار غور سے دیکھتے رہے... ان کی نگاہیں کہہ رہی تھیں کہ اعظم منہاس کی داڑھی کہاں ہے؟

وہ بولے کچھ نہیں اور ہم بھی سمجھ گئے، چند دن بعد داڑھی بڑھی تو ہماری جان میں جان آئی...

جامعہ کراچی کے ناظم سیف الدین اور کچھ اور ساتھیوں کی ایک مقدمہ میں گرفتاریوں پر اور جنرل ضیاالحق مارشل لاء میں طلبہ یونینز اور طلبہ تنظیموں پر پابندیوں کے خلاف تحریک میں ان کے قائدانہ جوہر کھل کر سامنے آئے...

ان تحریکوں میں NED یونیورسٹی کے لمبے چوڑے اور مضبوط کندھوں والے طارق سعید کے کاندھوں پر چڑھ کر ایک خاص انداز سے ایک نعرہ لگاتے... ''لاٹھی گولی کی سرکار ''...

اور ہم جواب دیتے... ''نہیں چلے گی نہیں چلے گی''...

وہ '' سرررررکار'' کو لمبا کھینچ کر خاص انداز سے زور ڈالتے تھے...

ان کا یہ نعرہ آج بھی ہمارے ذہن میں گونج رہا ہے...

ہمیں یہ بھی یاد ہے کہ وہ طارق روڈ پر اپنی نانی کے گھر رہتے تھے، ان کے والدِ محترم اور ہمارے مربی خرم جاہ مراد ان دنوں لندن میں دعوتی سرگرمیوں

میں مصروف تھے... تعلیمی اور تنظیمی مصروفیات کے باعث انہیں نیند کم ملتی تھی، ایک روز ہم نے دیکھا کہ ہمارے دور کے امیدواران رکنیت کا ایک اجتماع کنڈکٹ کرتے ہوئے حسن بھائی کو اونگھ آئی اور وہ سو گئے... ہمارے ایک ساتھی اپنی دھن میں انہیں دیکھے بغیر اپنے زور خطابت میں مصروف تھے کہ اتنے میں حسن بھائی کی آنکھ کھلی، انہوں نے زور سے استفہامیہ طور پر "ہوں..." کی کہ ہمارے ساتھی ہڑبڑا کر اپنی گفتگو ہی بھول گئے ...

پھر حسن صہیب بھائی اعلیٰ تعلیم کے لیے ملک سے باہر چلے گئے اور ہم کراچی کی تیز رفتار زندگی میں کھو گئے ...

گزشتہ برسوں میں کئی بار عافیہ موومنٹ اور پاسبان کے پروگراموں کے سلسلے میں لاہور آنا جانا ہوتا رہا، اس دوران ہم نے بارہا سوچا کہ ہم اپنی ان مصروفیات سے فارغ ہو کر حسن بھائی سے ملنے کے لیے رابطہ کرتے ہیں مگر "...دیر کر دیتا ہوں میں..." کے مصداق کبھی نوبت ہی نہ آئی اور وہ داعی اجل کو لبیک کہہ گئے...

اللہ تعالیٰ خرم جاہ مراد اور حسن صہیب مراد کی نیکیوں کو قبول فرمائے، لغزشوں کو معاف فرمائے اور انہیں شہادت کے بلند مرتبے پر سرفراز فرمائے...

حسن بھائی کے صاحب زادے ابراہیم بھی اس حادثہ میں شدید زخمی ہوئے ہیں اور اب روبہ صحت ہیں ...

ان کے لیے بھی مکمل شفایابی کی دعا فرمائیں...

شاہین رشید صاحب کی نماز جنازہ کے بعد ڈاکٹر حسن صہیب مراد صاحب سے میری ملاقات، آخری ملاقات ثابت ہوئی۔ پچھلے بیس سالوں میں یہ پہلی دفعہ تھا کہ ان کے چہرے پہ مسکراہٹ نہیں تھی۔۔۔۔ کہنے لگے چالیس سال سے زائد رفاقت رہی شاہین بھائی سے۔۔۔۔۔

یکم جون ۱۹۹۸ء کو میں حسن صہیب مراد صاحب سے پہلی دفعہ ملا۔ سخت گرمی کا دن تھا، ملتان میں لو چل رہی تھی۔ حسن صاحب اسلامی نظامت تعلیم کے پروگرام میں خطاب کے لیے ملتان تشریف لائے تھے، غالباً سٹی ہال ملتان میں پروگرام تھا، میں بی ایس سی کا امتحان دے کر فارغ تھا تو میرے ماموں جناب خالد سعید صاحب نے مجھے اپنے ساتھ ملتان جانے کو کہا اور میری والدہ سے اجازت بھی لے دی۔ وہاں پر انھوں نے حسن صاحب سے کہا کہ میرا بھانجا ہے اور آج کل فارغ ہے، اسے کسی کام پر لگائیں اور تعلیم کا بھی بندوبست کریں۔ حسن صاحب مسکرائے اور کہا کہ کل دو بجے آئی ایل ایم میں مجھ سے ملو۔۔۔۔ یوں ۲ جون ۱۹۹۸ء سے میرا سفر شروع ہوا۔۔۔ آج میں جو کچھ بھی ہوں۔۔۔۔ وہ ڈاکٹر حسن صہیب مراد کی وجہ سے ہوں۔۔۔۔ میری طرح کے ہزاروں خاندان ہیں جن کا وسیلہ ڈاکٹر حسن مراد بنے۔۔۔ اللہ جل شانہ انھیں کروٹ کروٹ جنتیں عطا فرمائے۔۔۔ ان کے درجات بلند کرے۔۔۔ پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔۔۔ آمین

میرے محسن میرے قدردان۔۔۔۔

یوایم ٹی کے بانی ڈاکٹر حسن صہیب مراد میرے آبائی وطن گلگت کے قریب روڈ ایکسڈنٹ میں اپنے رب کریم سے جا ملے...........

انا للہ وانا الیہ راجعون۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

اللھم اغفر لحینا ومیتنا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

انتہائی وضع دار حیادار خوش گفتار اور حلیم انسان آج اس فانی دنیا سے کوچ کر گیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

آنکھوں میں اتنی حیا کہ بندہ دیکھتے ہی رہ جائے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔!!!!!

پہلی نظر میں ہی محبت کا اسیر ہو جائے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔!!!

☜ اپنی زندگی میں بہت کم ایسے لوگ دیکھے کہ حیا جن کی آنکھوں سے اس قدر چھلکتی دکھائی دے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔!!!!

☜ یہ ان کی محبت تھی کہ خلیق الرحمن نے کم و بیش سات سال اسسٹنٹ پروفیسر کی حیثیت سے umt میں اپنی ذمہ داری نبھائی

اس عرصے میں ہمیشہ مرحوم نے میری ہمت بندھائی مجھے تھپکی دی میرے دوٹوک مشوروں کو ہمیشہ بہت تحمل اور غور سے سنا

میرے متعلقہ شعبے کی ترقی کے حوالے سے میرے مشورے تحریری طور پر نوٹ کیے اور اس کے مطابق ہدایات بھی جاری کیں۔۔۔۔۔۔!!!

☜ اساتذہ کی میٹنگ کے دوران میری تند و تیز تنقید برائے تعمیر کو بہت حوصلے سے سنا اور میٹنگ کے بعد سب سے ہٹ کر مجھے شاباش بھی دی حوصلہ بھی

دیا اور اسی طرح سے حوصلے اور جرأت سے بات کرنے کی تاکید بھی کی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔!!!!!!

☜ مخالفت کے طوفان میں بھی مرحوم کی حمایت ہمیشہ مجھے حاصل رہی علی الاعلان بھی درپردہ بھی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔!!!!

☜ آخری مرتبہ باقاعدہ ای میل کے ذریعہ میرے ساتھ اپنے حسنِ ظن کا بھرپور اظہار کیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔!!!!....

☜ اتنے باخبر کہ کون سے شعبے میں کون سا استاذ کس علمی سطح کا ھے سب کچھ معلوم۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔!!!!!

اللہ پاک مرحوم کی تمام خوبیوں کو قبول اور تمام لغزشوں سے درگزر فرمائے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔آمین

آنے والے تمام مراحل آسان فرمائے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔آمین

لواحقین کو صبر جمیل عطاء فرمائے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

زخمی اکلوتے بیٹے ابراھیم کو تندرستی عطاء فرمائے۔۔۔۔۔۔۔آمین

آمین آمین ثم آمین۔۔۔۔۔

از خ ل ی ق

اورہائے !

کہ آج کون یاد آیا

حسن صہیب مراد۔

ہماری شناسائی داؤد گروپ سے ہوئی جب حسن سیٹھ حسین داؤد کے "وصی معتمد" تھے۔ان سے تعلق کے لیے بس اتنا ہی کافی تھا کہ آپ خرم جاہ مراد کے صاحبزادے تھے۔میرے سر پر سوار رہے کہ میں دوسری منزل اور سیٹھ صاحب کا تیسرا فلور تھا۔میرا اصول ہے کہ کبھی بھی دفتری ٹیم سے بے تکلف نہیں ہوتا اور دفتری اوقات کار کے بعد "تو کون تے میں کون؟" والا فلسفہ اپناتا تھا۔حسن اور منیر اختر (نشان حیدر کی اولاد) نے یہ رویہ ترک کروایا۔

-

جب سیٹھ صاحب کراچی جاتے تو ہم سب کی بیٹھک خوب جمتی۔لارنس پور ٹیکسٹائل سے میں، محبوب صاحب اور اشرف العظیم، بورے والا ٹیکسٹائل سے منیر اختر اور داؤد ہرکولیس سے شہزاد رومانی اور عمیر خان (بھٹو کی شورش میں طلبہ تنظیموں کو متحرک کرنے والے میرے ہیرو) اور تیسری منزل سے حسن صہیب۔اس دن دوپہر کا کھانا بھی اکھٹے کھایا جاتا۔کیا بے فکری کے دن تھے۔

-

پھر حسن نے نوکری کو خیر باد کہا اور ILM اور اس کے بعد UMT جیسے بے مثال تعلیمی ادارے بنائے۔ایک گرانقدر پیشکش ٹھکرائے جانے پر مجھ سے کافی عرصہ ناراض رہے۔ذاتی مصروفیت کی وجہ سے میری شادی کی عبرت ناک تقریب میں شریک نہ ہو سکے۔پھر مصروفیت ایسی کہ خود سے ہی رابطہ ٹوٹ گیا تو دوست احباب کی شکایت کیسی؟

-

پرسوں خنجراب میں ایک ٹریفک حادثے میں جانبر نہ ہو سکے اور خالق حقیقی سے جا ملے۔کچھ دنوں سے پاکستانی میڈیا نہیں دیکھ پا رہا۔بھلا ہو ڈاکٹر تنویر زبیری کا۔

-

بلاشبہ جنتی اعمال تھے اور اسی کو بنیاد بنا کر اللہ سبحان سے درجات بلند اور جوار رحمت مرحمت کرنے کی دعا ہے۔

جناب حسن صہیب مراد بھی چل بسے...اناللہ وانا الیہ راجعون ۔۔۔۔۔سید صدیق صدیقی

ایک عہد تمام ہوا...ایک سحر طراز چراغ اور بجھا...ایک غروب ناآشنا آفتاب روپوش ہوا...ایک چہکتا ہوا بلبل خاموش ہوا...مرحوم اپنی ذات میں ایک مکمل انجمن...ایک نور افشاں دبستاں...ایک شرافت مآب مجسم تہذیب... جدت و روایت کا ایک متنفس مرقع...ایک متموج فیض رساں ادارہ اور جہد و ریاضت کا روشن و رخشاں استعارہ تھے. ان کی ناگہانی موت پر دلِ گداختہ رکھنے والے شاعرِ بے بدل اشرف جاوید نے اپنے محسوسات و جذبات کی پلکوں پر دمکنے والے آنسوؤں کو ان رقت خیز اشعار میں گوندھ کر ان کے چاہنے والوں کے جذبات کو زبان دینے کا اعزاز حاصل کیا:

تہذیب و آگہی کا فسانہ چلا گیا

جو بانٹتا تھا علم خزانہ چلا گیا

وہ اپنی ذات میں لیے پھرتا تھا اک جہان

وہ کیا گیا کہ ایک زمانہ چلا گیا

ڈاکٹر حسن صہیب مراد موحوم جہاں بیرونی یونیورسٹیوں سے اعلیٰ تعلیم یافتہ تھے وہیں ان کے دل و دماغ میں اسلامی شعور اور دینی بصیرت رچی بسی تھی۔انہوں نے یونیورسٹی آف مینجمنٹ اینڈ اینڈ ٹیکنالوجی کے نام سے لاہور میں جو ادارے قائم کیے،ایسے ادارے پہلے صرف امریکہ و یورپ کی یونیورسٹیوں میں پائے جاتے تھے۔یہاں ہماری نئی نسل کے طلباء و طالبات کو پوسٹ گریجویٹ کی سطح پر اعلیٰ درجے کی جدید فنی تعلیم سے روشناس کرایا گیا۔وہ جدید تعلیم کے میدان میں ایک visionary تھے ان کا اصل کمال یہ بھی تھا کہ مینجمنٹ سے متعلقہ مختلف شعبہ جات میں اختصاص کی ڈگریوں کے ساتھ طلباء کو اسلامی شعور سے آشنا کرنے کا اہتمام بھی کرتے۔انہوں نے اپنی یونیورسٹی کے زیر اہتمام اعلیٰ درجے کے کئی سیمینار بھی منعقد کرائے جن میں بیرونی ممالک سے کئی ماہرین مدعو کر کے ان کی تازہ ترین تحقیقات سے آگہی حاصل کی گئی۔انہیں پاکستان اور عالم اسلام کے نکتہ نظر سے بھی آگاہ کیا۔تہذیبوں کی کشمکش کے اس دور میں حسن صہیب مراد اپنے والد اور مولانا مودودی کے فکر انگیز خیالات کی روشنی میں اسلام اور مسلمانوں کی تہذیب کے اعلیٰ مقاصد کو آگے بڑھانے کے لئے بہت فکر مند رہتے تھے۔ڈاکٹر صاحب کے والد مرحوم خرم جاہ مراد بیسویں صدی میں قرون اولیٰ کا ایک جیتا جاگتا،اجلا اور زرتاب ورق تھے۔سچ تو یہ ہے کہ وہ شہ کار فکرِ سید تھے۔وہ ایک بے مثال باپ کے عدیم النظیر بیٹے تھے۔مرحوم کے والد خرم مراد کا شمار جو اگرچہ پیشے کے اعتبار سے انجینئر تھے بلند پایہ اسلامی دانشوروں میں ہوتا تھا اور وہ کئی کتابوں کے مصنف تھے۔مفکر اسلام مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے ہمارے عہد میں قرآن و سنت کے مستحکم دلائل کی بنیاد پر جس جدید علم کلام کو فروغ دیا اور اپنی کتابوں کے ذریعے اس کے نور بصیرت کو عام کیا خرم مراد اس کی ایک روشن کرن تھے۔کی اچانک موت سے ملک و قوم ایک بہت بڑے ماہر تعلیم سے محروم ہو گئے۔ہم توقع رکھتے ہیں کہ ان کے علمی اور خاندانی ورثاء ان کے جاری کردہ منصوبوں کو آگے بڑھانے اور پایہ تکمیل تک پہنچانے میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کریں گے کیونکہ یہی حسن

صہیب مراد کی روح کو خراج تحسین پیش کرنے کا بہترین طریقہ ہو گا۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کرے اور ان کے ورثاء کو صبر جمیل عنایت فرمائے۔ آمین

خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

Syed SaddiquiSaddiqui

ڈاکٹر حسین محی الدین کا ڈاکٹر حسن صہیب مراد کے انتقال پر اظہار تعزیت

منہاج یونیورسٹی لاہور کے وفد نے وائس چانسلر ڈاکٹر محمد اسلم غوری کی قیادت میں اظہار تعزیت کیا

مرحوم علم سے محبت کرنے والی شخصیت تھے، ان کی خدمات ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی: ڈاکٹر حسین محی الدین

لاہور (12 ستمبر 2018) تحریک منہاج القرآن کے صدر، ڈپٹی چیئرمین منہاج یونیورسٹی لاہور ڈاکٹر حسین محی الدین القادری نے یو ایم ٹی کے بانی چیئرمین پروفیسر ڈاکٹر حسن صہیب مراد کی حادثاتی موت پر گہرے دکھ اور غم کا اظہار کرتے ہوئے سوگوار خاندان سے اظہار تعزیت کیا ہے اور دعا کی ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جوار رحمت میں جگہ دے، منہاج یونیورسٹی لاہور کے وائس چانسلر پروفیسر ڈاکٹر محمد اسلم غوری کی قیادت میں ایک وفد نے یونیورسٹی آف مینجمنٹ اینڈ ٹیکنالوجی میں جا کر ڈاکٹر حسن صہیب مراد کی وفات پر اظہار تعزیت کیا اور مرحوم کی بخشش اور درجات کی بلندی کیلئے دعا کی، منہاج یونیورسٹی لاہور کے وفد میں پروفیسر ڈاکٹر طالب حسین، پروفیسر ڈاکٹر نادر بخت، کرنل (ر) محمد احمد اور ناصر اقبال ایڈووکیٹ شامل تھے۔ ڈاکٹر حسین محی الدین نے اپنے تعزیتی بیان میں کہا کہ مرحوم ایک علم دوست شخصیت تھے، اعلیٰ تعلیم کے فروغ میں ان کا کردار تاریخ کا سنہرا باب ہے جسے ہمیشہ یاد رکھا جائیگا، مرحوم نے یو ایم ٹی کو قابل فخر تعلیمی ادارہ بنانے کیلئے دن رات محنت کی۔ انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ فروغ امن کیلئے ان کی کاوشوں کا انہیں اجر دے۔

Minhaj University Lahore

Salman Baig

RIP Dr Hassan Sohaib Murad. He was rector of my university. It was my probably fifth semester when I wrote a very angry mail to him. And he replied back to come to his office and meet him & discuss issue with him. His office was situated around 10-15 km away from my campus. Gharmeyoswaqt internet nahihotatha so learned it only on reaching university. Zindagi me dosridafa shave kerwayewoh b foot path per baithayhoyenayesey because jaibitna he afford kersakti thee. Aurbarishaansey in k office phohanchgaya. Rector in a university is just as a prime minister in a country. Khair he mentioned that I don't normally invite students in this way and normally forward mail to concern department but I thought k mujhseymilnachaiye. Tab mujay idea touhoogayathayehtou game ulti par gayehainaurmairishamaataanaywali hey. Khair with some anger & love he mentioned to me that never ever write such a harsh mail to anyone. Though issue I brought to him was a genuine one but could only had helped next batches but it was a life remembering meeting.

Then I was in my second last semester & our campus temporarily shifted to place & he came for a visit. I was upset over the absence of "kundi" in new washrooms. And he was moving with the dean. It was like president & prime minister moving in a country. My friends pushed me to raise this concern to them. Patanahimeyosswaqtapnayaapkokiasamajthatha and I went towards him. I still remember each & every word. I said to him. Sir aapney new campus mey shift kia hey yehbohatbehtar hey, class rooms, washrooms are all top notch but aikchotasamasla hey k boys toilet meykundianahi hey aur management lagwa b nahirahi. Even koi anderjata hey touander ja keronchabolnaperta hey k koi aa najaye. Literally dean face colour changed to red but that man with in his all calm assured me of resolution. Kundiatouossi din lag gaye but I remembered that small meeting for life time.

Third time I listened to his speech and wrote email to him that sir you used word "institute" in that speech and thats not a correct use. He replied back that he will consult the webster. Anyways he probably replied back after checking webster because webster do allow use in that context.

In short he was a great man. May Almighty help hereafter journey easy for him. In k darjaatbulandfarmaye. Inkimagfiratfarmaye. Ameen

میرے استاد، یونیورسٹی آف مینجمنٹ اینڈ ٹیکنالوجی لاہور میں میرے ایم فل کے استاد اور یونیورسٹی کے چیئرمین ڈاکٹر حسن صہیب مراد۔ اخوت انٹرن شپ اینڈ فیلوشپ پروگرام کے اختتام پر اپنے آفس بلایا اور پورے پروگرام پر تفصیل سے گفتگو کی اور آئندہ کے لیے مستقل سٹڈی کورس کا حصہ بھی بنا دیا! دو چار بار فون پر بھی بات ہوئی ذاتی طور پر ملاقات بھی ہوئی۔ حال ہی میں انٹرنیشنل کانفرنس میں ہونے والی ملاقات آخری ثابت ہوئی!!! اے رب کائنات میرے استاد محترم کو جنت الفردوس اعلی مقام عطا فرما! آمین

جب میں آٹھ سال کا تھا تو والد محترم حج پر گئے،

واپس آئے تو میں نے ان سے پوچھا، آپ نے میرے لئے کیا دعا کی ہے؟

انہوں نے کہا، میں نے تمہارے لئے دعا کی کہ اللہ تمہیں شہید بنائے

میں نے کہا، یہ تو موت کی دعا ہے، فرمایا نہیں یہ زندگی کی دعا ہے،

حسن صہیب مراد فرزند حضرت خرم مراد رح،

ایسے تھے سید مودودی رح کے شاگرد

#م_ش

ڈاکٹر حسن صہیب سعادت کی زندگی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ تحریر: امیر العظیم

ڈاکٹر حسن صہیب مراد جنہیں مرحوم لکھتے ہوئے کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ جماعت اسلامی کے نائب امیر انجنیئر خرم جاہ مراد کی دلی مراد تھے۔ ان کے دادا کا تعلق سرگودھا سے تھا جنہوں نے رسول پور (گجرات) سے سول انجنیئرنگ کرنے کے بعد گوہر گنج بھوپال میں ملازمت اختیار کی۔ خرم مراد بھوپال میں پیدا ہوئے اور پاکستان بننے پر کراچی میں آباد ہوگئے۔ این ای ڈی (NED) سے سول انجنیئرنگ کی۔ میرٹ پر وظیفہ لیکر MS امریکہ سے کیا۔ کراچی آکر ایسوسی ایٹیڈ کنسلٹنٹ انجنیئرز ACE میں ملازمت شروع کی اور کمپنی کی طرف سے ڈھاکہ ٹرانسفر ہوئے۔

حسن صہیب مراد کی زندگی جدوجہد، محنت اور کامیابی کی رشک آمیز کہانی ہے۔ وہ 22 اکتوبر 1959 کو کراچی میں پیدا ہوئے۔ حسن صہیب کی ابتدائی تعلیم ڈھاکہ میں ہی ہوئی۔ لیکن گریجویشن کراچی (این ای ڈی یونیورسٹی) سے ہوئی۔ چار سالہ انجنیئرنگ کے دوران ان کا یہ اعزاز رہا کہ ہر سال ڈین میرٹ ایوارڈ حاصل کیا۔ بعد ازاں واشنگٹن سٹیٹ یونیورسٹی سے ایم بی اے اور یونیورسٹی آف ویلز برطانیہ سے پی ایچ ڈی بھی کیا۔

حسن صہیب سے میرا ذاتی تعلق تو 1980 کے لگ بھگ قائم ہوا۔ وہ کراچی میں اور میں لاہور میں اسلامی جمعیت طلبہ میں کام کرتے تھے۔ جمعیت کی شوریٰ، تربیت گاہ اور سالانہ اجتماع میں ملاقاتیں ہوا کرتی تھیں۔ لیکن 1987 کے بعد حسن صہیب اپنے خاندان سمیت لاہور آگئے۔ لاہور میں کچھ عرصہ دائود ہرکولیس میں ملازمت کی۔ لیکن وہ ملازمت کے آدمی نہ تھے۔ قاضی حسین احمد اور خرم مراد کی سرپرستی میں حسن صہیب، محمد علی درانی، پروفیسر طیب گلزار، اور راقم الحروف کا ایک غیر رسمی حلقہ بن گیا۔ جس میں جماعت اسلامی، پاسبان کشمیر، افغانستان، وسطی ایشیاء اور امت مسلمہ کے حوالے سے غور و فکر کی مجالس ہوا کرتی تھیں۔ اس دوران ہم چاروں نے مل کر مشترکہ کاروبار کرنے کی کوشش بھی کی، پھر حسن صہیب نے اعلان کر دیا کہ وہ علم کے میدان میں کام کریں گے۔ حسن صہیب کو تین حروف الف، لام، میم سے والہانہ لگاؤ تھا۔ ان کا خیال تھا کہ قوم کا عروج علم سے مشروط ہے اور علم ہی قیادت سکھاتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے 1990 میں انسٹی ٹیوٹ آف لیڈرشپ اینڈ مینجمنٹ قائم کیا۔ اور پھر اس انسٹی ٹیوٹ کو عالی شان یونیورسٹی کی شکل دینے کے لئے رات دن وقف کر دیا۔ یہ اللہ رب العزت کا ان پر خاص کرم تھا کہ مختصر عرصہ میں بین الاقوامی سطح کی ایک یونیورسٹی کو تن تنہا کھڑا کر دیا۔

ڈاکٹر حسن کو نشیب فراز میں اپنے رب سے غافل نہیں دیکھا۔ ایک دل آویز مسکراہٹ ہر وقت ان کے چہرے پر چھائی ہوتی۔ بے شمار لوگوں کا کیریئر بنانے میں ان کی ذاتی دلچسپی اور رہنمائی کا دخل رہا۔ یونیورسٹی کے ریکٹر اور چیئرمین بننے کے باوجود انہوں نے اپنی شخصیت کی جاذبیت کو نہ صرف برقرار رکھا وہ ہر طرح کے تکلفات اور رسمی روایت کو چھوڑ کر ہر شخص سے بڑے تپاک اور گرمجوشی سے ملتے۔ طلبہ کے مسائل حل کرنے میں انہوں نے کبھی رعونت اور تکبر کا مظاہرہ نہیں کیا۔ بلکہ تدبیر کا راستہ نکالنے کی ہر ممکن کوشش کرتے تھے۔ حسن صہیب مراد کے سامنے بیٹھے کسی بھی فرد کو یہ احساس ضرور رہتا کہ وہ ایسی علمی شخصیت کے روبرو ہے جو کسی بھی شعبہ علم میں اس کے علم کو غیر محسوس انداز میں نئی جہت دے رہا ہے۔ ان سے بات کرنے والا نئے تصورات کا جہان لے کر رخصت ہوتا اور اسے ہمیشہ یہ خیال دامن گیر رہتا کہ حسن صہیب سے بات کرنے سے پہلے ہر اعتبار سے زیر بحث مسئلے یا علمی نکتے پر عبور حاصل کرنا ضروری ہے۔ یہ ان کی شخصیت کا کمال تھا کہ وہ اس خیال سے دور رہتے کہ انہیں کسی نوعیت کی علمی دھاک بٹھانی ہے۔

ان سے ملنے والا علم و کمال کے نئے زاویے دیکھ کر جاتا اور ان کی مزید جستجو میں رہتا۔

ڈاکٹر حسن صہیب مراد نے ایک انٹرویو میں کہا تھا کہ اپنی ذات کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنا ممکن ہے کہ آسان ہو، لیکن میری جستجو یہی ہے کہ مجھے نام کے بجائے میرے کام سے پہچانا جائے میری کوشش ہوتی ہے کہ نئے نئے راستے نکالے جائیں۔ نئے علوم کو روایت، اور جدت کے امتزاج کے ساتھ پیش کیا جائے۔ انہوں نے کہا کہ پیچھے رہ کر کام کرنے والے دنیا پر اپنے اثرات چھوڑ جاتے ہیں۔ اور خود کو پیش کرنے والے خود تنہا ہو جاتے ہیں۔ یہ بات ان کی ذات پر کس قدر پوری اُترتی ہے اس کا اندازہ اس حقیقت سے لگایا جا سکتا ہے کہ انہوں نے علم کو قیادت سے جوڑا، اور قیادت کو عمل کی معراج بنایا اسی لئے آج ہم انسٹی ٹیوٹ آف لیڈر شپ اینڈ مینجمنٹ کو اس سوچ کی عملی تصویر کے طور پر دیکھتے ہیں۔ ڈاکٹر حسن صہیب مراد اہم قومی و بین الاقوامی کانفرنسوں میں بالکل جدید موضوعات پر پر مغز مقالے اور مضامین پڑھتے رہے۔ دنیا بھر کے جرائد علمی میں ان کے ان گنت تحقیقی و علمی مضامین شائع ہوئے۔ ان کی تصنیفات کی تدوین کی جائے تو ان کی کتب کی تعداد حیران کر دیتی ہے۔ پاکستان میں سائنس و ٹیکنالوجی کی محدود دنیا کو انہوں نے اپنے کام سے لامحدود کر دیا جن شعبہ جات میں کبھی سوچا بھی نہ گیا تھا کہ ان میں بھی ڈگری پروگرام ہو سکتے ہیں ان کو شروع کیا۔ ان پروگراموں کو بین الاقوامی سطح کی جامعات نے بھی تسلیم کیا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے پروگراموں سے ابتدائی کورسز اور سمسٹر زپورے کرنے والوں کو برطانیہ و امریکہ کی جامعات میں داخلے ملے تعلیمی بے مائیگی دور کرنے میں حسن صہیب مراد کا یہ کارنامہ زندہ رہے گا۔ ان کی پیروی دوسرے ادارے بھی اب کر رہے ہیں۔

ہیں کچھ عرصہ سے انہیں ہر ملاقات میں عرض کرتا تھا کہ اب ذرا دم لیکر کام کریں۔ بہت زیادہ بوجھ مت اٹھائیں۔ ہر وقت یونیورسٹی کو وسیع تر کرنے کی فکر سے کچھ آزاد ہوں لیکن ڈاکٹر صہیب میری بات سے اتفاق کے باوجود " نرم دم گفتگو اور گرم دم جستجو " اپنا کام جاری رکھے رہے۔ یہ تو اب ان کی حادثاتی موت سے اندازہ ہوا کہ قدرت نے ان سے جتنا کام لینا تھا وہ اس کے لئے رات دن ایک کر گئے۔ ان کی زندگی سعادت کی زندگی تھی لیکن ان کی موت بھی شہادت بن گئی۔ 9 ستمبر کو ڈاکٹر حسن اپنے بیٹے ابراہیم کے ساتھ پاک فوج کے ادارے (FCNA) کی سالانہ تقاریب اور ان کے بعض تعلیمی اداروں کے وزٹ کے لئے گلگت پہنچے۔ 10 ستمبر کو سست کے ایک پروگرام سے فارغ ہو کر واپس جا رہے تھے۔ گاڑی ان کا بیٹا ابراہیم چلا رہا تھا۔ اور ساتھ فرنٹ سیٹ پر (FCNA) کے سابق کمانڈر لفٹیننٹ جنرل (ریٹائرڈ) جاوید الحسن تھے جبکہ ڈاکٹر حسن صہیب اور ان کے ساتھ فوج کے ایک کپتان پچھلی سیٹ پر تھے۔ سہ پہر 4:40 پر جب وہ خنجراب کے قریب تھے تو گاڑی سڑک کے ساتھ چٹان سے ٹکرا کر ملحقہ پتھروں والی زمین پر الٹتی چلی گئی۔ ڈاکٹر حسن صہیب نے تو حادثے کے کچھ ہی دیر بعد اپنی جان جان آفرین کے سپرد کر دی۔ لیکن اپنے پیچھے خیر اور صدقہ جاریہ کا بڑا کام چھوڑ گئے۔ بے شک اللہ رب العزت ان سے راضی ہو گا۔

وہ شخص اب یاں نہیں ملے گا۔۔۔تحریر: ڈاکٹر تنویر زبیری

بھوپال کی ریاست متحدہ ہندوستان میں اپنے تاریخی، تہذیبی و ثقافتی ورثے پر بجا طور پہ نازاں تھی، کہ اس زرخیز خطہ سرزمیں نے بہت سی نابغہ روزگار شخصیات کو جنم دیا۔ مدھیہ پردیش کی اس ریاست میں پہلی مرتبہ چار مسلمان بیگمات نے یکے بعد دیگرے حکومت کی۔ ڈاکٹر عبدالقدیر خان اور نواب منصور علی خان پٹودی تو معروف ہوئے ہی۔ مگر خرم جاہ مراد ان ہیں ایک انتہائی غیر معمولی انسان تھے۔ پیشہ کے اعتبار سے لائق سول انجینئر۔ امریکی یونی ورسٹی اف مینی سوٹا سے سند یافتہ۔ مگر دنیا میں ان کی پہچان کا حوالہ جدید ذہن کو اسلام کے قریب لانے اور داعی الی اللہ کی تھی۔ ان کے چاہنے والوں کی تعداد بلا مبالغہ لاکھوں سے متجاوز تھی۔ ان کی نیک طینت اہلیہ "سیدہ لمعت النور" کا تعلق بھی بھوپال سے تھا۔ جن کی آغوش میں ایک ایسے ہیرے نے پرورش پائی کہ جس کی تابناکی آج بھی آنکھوں کو خیرہ کئے دیتی ہے۔

ننھے حسن صہیب مراد کو گھٹی ہی "قال اللہ و قال الرسول" کی ملی۔ جناب خرم مراد زمانہ طالب علمی میں پہلے پاکستان اور پھر امریکہ کے طلبہ میں دعوت دین کی تنظیم و تربیت سے وابستہ رہے۔ عملی زندگی میں مشرق وسطی' منتقل ہوئے۔ انجنیئرنگ کمپنی میں خدمات انجام دیتے ہوئے، بڑے پیمانے پر دعوتی، تربیتی اور سیاسی میدان میں گہرے نقش چھوڑے۔ پھر ۱۹۷۶ سے اسلامک فاونڈیشن برطانیہ کے کاموں اور منصوبوں میں بڑی وسعت پیدا کی۔ اسی طرح سقوط ڈھاکہ کے عینی شاہد تھے۔ جنگی قیدی کی حیثیت سے عزیمت اور صبر سے قید کاٹی۔ قید و بند کے اس زمانے میں لمعت خالہ بچوں کو ماں کے ساتھ باپ بن کر بھی بہترین دینی و دنیاوی تربیت سے اراستہ کرتی رہیں۔ میاں کے شانہ بشانہ چلتی رہیں۔

حسن مراد نے دور طالب علمی میں ہی اپنا منفرد انداز اور مقام پیدا کر لیا۔ میرا ان سے تعارف ۱۹۷۰ کے عشرے میں ہوا۔ تب وہ اسلامی جمعیت طلبہ کے رکن تھے۔ جب ہم دونوں مجلس شوری' کے رکن بنے تو گاڑھی چھننے لگی۔ ذوق مطالعہ، ادب دوستی، بذلہ سنجی ہماری دوستی کی بنیادیں تھیں۔ میں جب کراچی جاتا۔ کسی بہانے سے کھانے پر گھر لے جاتے۔ کبھی ہم برنس روڈ پر لسی پینے جاتے یا اسٹریچن روڈ کے برابر میں۔" انڈہ گھوٹالہ" پر ہاتھ صاف کرتے۔ انکی ہونڈا سیونٹی پر ایک مرتبہ ہم دونوں کراچی جمعیت کی کسی شب بیداری میں شریک ہوئے۔ واپسی پر بارش نے آن لیا۔ ہم راستہ بھر بھیگتے آئے۔ سندھ اسلامیہ کالج کے سامنے کڑک چائے کے کھوکھے پر بیٹھ کر گرم گرم چائے کا لطف اور ذائقہ آج بھی مجھے یاد ہے۔

وہ نظریاتی دور تھا۔ کیمونسٹ تحریک اپنے زوروں پر تھی۔ مقابلے میں جمیت طلبہ تھی۔ جسکی تنظیم بہت منظم اور فعال تھی۔ ہر سال یونین کے انتخابات منعقد ہوتے۔ طلبہ کی اکثریت جمیعت طلبہ کو پسند کرتی اور اسکی ہمنوا بنتی۔ پاکستان کے سیاسی، تعلیمی اور صحافتی افق کے بہت سے نمایاں نام اسی شجر سایہ دار کی شاخیں ہیں۔ 1981 میں حسن بھائی کراچی جمعیت اور میں لاہور جمعیت کا ناظم منتخب ہوا۔ کراچی میں جمعیت کا دعوتی اور تربیتی پروگرام بہت منظم تھا۔ میں اکثر معاملات میں ان سے رہنمائی لیتا۔ سیاسی کشمکش میں لاہور اور پنجاب یونیورسٹی جمعیت کو برتری حاصل ہوتی۔ مگر حسن بھائی کے دور میں کراچی جمعیت کو انتخابات میں فقید المثال کامیابی ملی۔ 1983 میں ہم دونوں کی تعلیم اختتام پذیر ہو رہی تھی۔ تب کے ناظم اعلی' معراج الدین مرحوم کا

اصرار تھا کہ ہم انتخابات تک رک جائیں۔ سرحد اور پنجاب کے طلبہ انجمن کے انتخابات میں جمعیت طلبہ نے clean sweep کیا۔ لاہور میں 95% یونینز ہم جیت گئے۔ مارشل لا دور تھا۔ ضیاء الحق اپنے اقتدار کو طول دینے کے لیے غیر جماعتی بنیاد پر الیکشن کروانا چاہتے تھے۔ دینی جماعتوں کی جانب انکا جھکاؤ محض افغان جنگ میں انکی ہمدردیاں سمیٹے اور نوجوان مجاہدین کی کمک بھرتی کرنے تک محدود تھا۔ سیاسی پنڈتوں نے انہیں خبردار کیا کہ جمعیت طلبہ آئندہ سال کے انتخابات میں موثر ثابت ہو سکتی ہے۔ یونین انتخابات کے انعقاد کے محض دو ہفتے کے اندر جنرل فضل حق اور جنرل جیلانی نے یونینز پر بلاجواز پابندی عائد کر دی۔ جمعیت نے جماعت اسلامی اور دیگر بہی خواہوں کے مشورے کے علی الرغم بھرپور مزاحمتی تحریک کا آغاز کر دیا۔ فوج سے براہ راست ٹکرانے کا انجام ہمیں معلوم تھا۔ MRD کی احتجاجی تحریک بیسیوں جانوں کا نذرانہ پیش کرنے کے باوجود آخری ہچکیاں لے رہی تھی ۔ جماعت کی مجلس عاملہ نے صورتحال کی سنگینی کے پیش نظر اپنا ہنگامی اجلاس طلب کر لیا۔ جمعیت کی شوریٰ' نے جامعہ پنجاب کی یونین کے صدر امیر العظیم، حسن مراد اور مجھے مذاکرات کے لیے منتخب کیا اور فیصلے کا اختیار دیا۔ صبح سے شام تک ہمیں دلائل، پند و نصائح سے قائل کرنے کی مبنی بر اخلاص کوشش کی گئی۔ مگر ہم تینوں کا یکساں موقف تھا کہ مارشل لاء حکومت کے آمرانہ اور ناجائز فیصلہ کو تسلیم نہیں کر سکتے۔ ہم لوگوں نے قید و بند اور آزمائش کے راستے کو اختیار کرنے کا فیصلہ کیا۔ حسن مراد کے تاریخی الفاظ مجھے آج بھی یاد ہیں۔ کہ ہمارے اسلاف نے مصلحت کوشی اور اصولوں پر سمجھوتا سکھایا ہی نہیں۔ اپنے جمہوری حق کے لئے قید تو کیا ہم اپنا کیریئر بھی قربان کرنے پہ آمادہ ہیں۔ ان ساتھیوں کا جوان جذبہ فوجی آمروں کو تو نہ جھکا سکا۔ مگر نوجوانوں کی عزیمت اور قربانی کی ایک ناقابل فراموش داستان رقم کر گیا۔

عملی زندگی کی بھول بھلیوں میں کھو جانے، کار سرکار اختیار کرنے اور سیاست کو خیر باد کہنے کے باوجود ان سے کسی بہانے ملاقات ہو جاتی۔ حسن مراد بلا کے ذہین، حد درجہ محنتی، اخلاص، انہماک اور ایمان کی طاقت سے مالا مال بے لوث شخصیت تھے۔ امریکہ اور برطانیہ سے ماسٹرز اور ڈاکٹریٹ کی ڈگری اعزاز سے حاصل کی۔ شروع میں داود ہرکولیس اور چند بڑے اداروں میں کام کیا۔ مگر خواب گر حسن بھائی کوئی بڑا کام کرنے کے خواہاں تھے۔ معروف درسگاہ ILM کی بناڈالی۔ جو آج ایک کامیاب یونیورسٹی کا روپ دھار چکی ہے۔ سیکنڑوں ادارے اس سے منسلک ہیں۔ HEC کی رینکنگ میں یونیورسٹی آف مینجمنٹ اینڈ ٹیکنولوجی (UMT) کا شمار ملک کے چند ممتاز تعلیمی اداروں میں ہوتا ہے۔ ہزاروں ضرورت مند طالبعلموں کی مالی معاونت اور وظائف کا خاموشی سے اہتمام کیا۔ عجب وائس چانسلر تھے ڈاکٹریٹ کی کلاس لینے کے بعد نماز جمعہ کے خطبہ کیلئے منبر رسول پہ متمکن۔ انتہائی خوش الحانی سے قرآن کی تلاوت کرتے اور تفسیر بیان کرتے۔ میں نے انہیں ہمیشہ مسکراتے ہوئے پایا۔ کبھی غصہ میں نہیں دیکھا۔ ان کا دھیما انداز سب کو گرویدہ بنالیتا تھا۔

برطانیہ کے مسلمانوں کی سب سے بڑی اور منظم فلاحی تنظیم مسلم ایڈ کا دائرہ کار دنیا بھر میں پھیلا ہوا ہے۔ قدرتی آفات اور انسانی فلاح۔ غربت کے خاتمے کے لیے اس تنظیم کی خدمات کو دنیا بھر میں قدر کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ آج سے تقریباً" دس سال قبل پاکستان میں بھی اس کی سرگرمیوں کا آغاز کیا گیا۔ ڈاکٹر حسن مراد اسکے بانی چیئرمین مقرر ہوئے اور مجھے اسکا جنرل سیکریٹری نامزد کیا گیا۔ اس حوالے سے ان سے تجدید تعلق ہوا۔ تنظیم کو

خوش اسلوبی سے چلانے۔ اسکے معیار کار کو بلندیوں پر پہنچانے میں انکی شبانہ کوششوں کا گہرا دخل ہے۔ اس دوران ان کے ہمراہ سفر و حضر کے مواقع میسر آتے۔ میں ہر ملاقات میں ان سے فیض یاب ہوتا۔ ان سے دوستی میرے لئے سدا کا افتخار اور اعزاز تھا۔

ڈاکٹر نوشابہ حسن انکی اہلیہ، کراچی کے معروف ڈاکٹر سید اظہر علی کی صاحبزادی ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے چالیس سال تک فیملی فزیشن کی حیثیت سے اہالیان کراچی کی خدمت کی۔ انتہائی شگفتہ اور بااصول شخصیت۔ حاجتمندوں اور لاچار مریضوں کی دل و جان سے دستگیری کرتے۔ اتنے روادار کہ کبھی کسی ڈاکٹر یا اسکے اہل خانہ سے عوضانہ طلب نہ کیا۔ ڈاکٹر سیدہ نوشابہ نے ڈاو میڈیکل کالج سے طب کا امتحان اعزاز سے پاس کیا۔ شادی کے بعد لاہور آنا پڑا۔ گھر داری ۔ مہمان نوازی اور بچوں کی تعلیم و تربیت میں ایسے منہمک ہوئیں کہ اپنے شعبہ پر توجہ نہ دے پائیں۔ اس کا حسن بھائی کو قلق تھا۔ 2005 میں مجھے یاد کیا اور دیر تک انکی اسپیشلائزیشن کے بارے میں مشورہ کرتے رہے۔ ڈاکٹر صاحبہ نے میری نگرانی میں MSc الٹراساونڈ مکمل کی۔ بہترین طالبعلم کا اعزاز اور گولڈ میڈل حاصل کیا اور اپنی پریکٹس کا آغاز کر دیا۔ حسن بھائی انکی کامیابی پر بہت مسرور تھے۔ وہ انکے لئے ایک اسپتال بنانے کے بھی خواہاں تھے وہ سیاسی اور دینی محاذ پر بھی سرگرم رہیں اور بلدیہ کی نمائندہ کی حیثیت سے خیر اور فلاحی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ انکی والدہ بھی حریم ادب کراچی کی صدر رہیں۔ ڈاکٹر نوشابہ نے اپنے دونوں بچوں۔ ابراہیم اور مریم کی بہترین اسلوب پر تربیت کی۔ دونوں نے بیرون ملک کی نامور یونیورسٹیز سے اعلیٰ' تعلیم حاصل کی۔ دونوں میاں بیوی۔ محبت اور احترام کے مثالی تعلق کا نمونہ تھے۔ اکثر معاملات۔ کسی عزیز یا دوست کی بیماری کے بارے مجھ سے ضرور مشورہ کرتے۔ میں بھی اہم امور میں ان سے رہنمائی لیتا۔ ہمیشہ اپنے نپے تلے انداز میں صائب مشورہ دیا کرتے۔ مجھے یہ اعزاز حاصل ہے کہ میں انکے والدین اور انکے اہل خانہ کے معالجوں میں شامل رہا۔

شیریں زبان۔ خوش الحان۔ سوز دل و سوز زیاں سے خود آگاہی کے سفر پہ رواں۔ محفلوں کی جان۔ دوستوں پر مہربان۔ نرم دم گفتگو۔ گرم دم جستجو۔ رزم ہو کہ بزم ہو۔ پاک دل و پاک باز۔ کم ہی دوستوں کو علم ہو گا کہ حسن بھائی نے گذشتہ چند سالوں میں نصف قرآن مجید کے حفظ کی سعادت حاصل کی۔ سچے موحد اور پکے عاشق رسول۔

مجھے انکے ایکسیڈنٹ کی اطلاع کراچی کے معروف کارڈیالوجسٹ ڈاکٹر شجاعت کے ذریعہ ہوئی۔ تب میں جہاز میں سوار عازم لاہور تھا۔ میرا وجود پہلے تو چکرا گیا اور اگلے لمحے کرچی کرچی ہو گیا۔ بھادوں کے آخری دن آنکھوں میں ساون اتر آیا۔ زندگی کی بے ثباتی اور عجب سے خوف نے مجھے ماوف کر دیا۔ ہر روز رات کو خواب میں اور دن کو خیالوں میں ماضی کی خوشگوار یادیں آن گھیرتی ہیں۔ انکا ہنستا مسکراتا چہرہ چشم تخیل میں وارد ہو جاتا ہے۔ مگر قضا کے مسافر کب لوٹ کے آتے ہیں۔ اب تو ان سے ملنے خود برزخ جانا ہو گا۔ دیکھیں کب باری آتی ہے۔

موت اک ایسا گنجلک معمہ ہے جو نہ سمجھنے اور نہ سمجھانے کا۔ انسانی ذہن نے موت کے فسوں کے گرداڑتے غبار میں بے طرح ہاتھ پیر مارے۔ مگر اس ظالم نے کسی کی نہ چلنے دی۔ انکے صاحبزادے ابراہیم مراد نے آخری لمحات کی دلخراش داستان سناتے ہوئے بتایا کہ حادثہ کے بعد جب وہ انکی جانب متوجہ ہوا تو انکی زبان پر ذکر الٰہی تھا اور شہادت کی انگلی اٹھی ہوئی تھی۔ یوں وہ شہادت کی مراد پا گئے۔ اللہ سبحان کا نام باقی رہ گیا۔

مالک دو جہاں سے میری دعا ہے کہ وہ مرحوم کی مغفرت کرے اور اعلیٰ' علیین میں شامل فرمائے۔ ان کے اہل خانہ اور احباب کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین۔

ڈاکٹر تنویر زبیری

میں نے دیکھا ہے سمندر، اک ندی میں گر گیا- تحریر: سید وقاص جعفری

پہاڑوں اور پانیوں کی انسان سے نہ جانے کیا اُنسیت ہے کہ یہ ایک دوسرے سے جدا ہی نہیں ہوتے۔ پہاڑوں کی بلندیاں انسان کو نئے عزائم اور چیلنجز کی طرف بلاتی ہیں، اور پانیوں کا بہاؤ، زندگی کو ہر آن نمو کی دعوت دیتا ہے۔ یہی پانی غضبناک ہو کر بستیوں کو کھا جاتا ہے لیکن انسانی آبادیاں اس سے وابستہ رہنے میں ہی اپنی بقا سمجھتی ہیں۔ پہاڑ انسانوں کو نگل لیتے ہیں مگر ان کی کشش، مقناطیس کی طرح لوگوں کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ بقا اور فنا، ہست اور نیست کا یہ سلسلہ نہ جانے کب سے جاری ہے اور کب تک جاری رہے گا۔ پہاڑوں، پانیوں اور انسانوں کے اس میل جول میں ہمارے کتنے ہی محبوب زندگیاں لے کر اپنے پیاروں کے درمیان واپس نہ لوٹ سکے۔ تسنیم عالم منظر اور نصر اللہ شجیع جیسے سجیلے جوانوں کے بعد ڈاکٹر حسن صہیب مراد اس قبیلہ کے نئے فرد ہیں۔

علم اور حلم معاشرے میں ویسے ہی کمیاب ہیں اور ان دونوں کا امتزاج اس سے بھی محال۔ اکثر صورتوں میں عالم کو اپنے علم پر زعم ہوتا ہے جو کبر اور عُجب کی نجانے کون کون سی شکلیں تراش لیتا ہے۔ حلیم الطبع لوگ بلاشبہ معاشرے میں پائے جاتے ہیں مگر اکثر صورتوں میں وہ گہرائی اور گیرائی سے ناآشنا ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر حسن صہیب مراد کو اللہ نے نوازا اور اس طرح نوازا کہ لوگوں کے دلوں میں ان کی محبت گھول کر رکھ دی۔ ان کی موت پر ایک عالم ہے جو خود سے تعزیت کر رہا ہے۔ تعزیت کی جائے تو کس سے۔ احمد مراد، فاروق مراد، ابراہیم مراد یا سید بلال، یا پھر ہم سب کے روحانی بزرگ پروفیسر خورشید احمد صاحب سے۔

ان کی حادثاتی اور ناگہانی موت پر ہر فرد اپنے آپ کو محروم سمجھ رہا ہے۔ اس فانی دنیا میں اس سے بڑھ کر اور کیا خوش قسمتی ہو سکتی ہے کہ ایک شخص یوں بے تحاشا سب کا محبوب بن جائے اور ہر فرد اپنے آپ کو اپنے ممدوح سے قریب ترین جانتا ہو۔ حسن بھائی کے پسماندگان میں کیا افراد، کیا ادارے سبھی شامل ہیں۔

دنیا باصلاحیت انسانوں سے کبھی خالی نہیں رہتی، مگر ایسے انسان جو اپنے کام کو زندہ، فعال اور مؤثر اداروں کی شکل میں ڈھال دیں، وہ ہمیشہ انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں۔

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

آئی ایل ایم سے یو ایم ٹی، اسلامی نظامت تعلیم سے آفاق، انسٹیٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز سے آئی ایل ایم کالجز اور دی نالج اسکول تک، اداروں کی کہکشاں ہے جن کا وجود حسن صہیب مراد صاحب کے دم قدم سے آباد ہے۔ خرم مرادؒ اپنی تحاریر میں جس ادارہ سازی (Institutionalization) پر زور دیتے رہے، ان کے قابل فخر صاحب زادے حسن صہیب مراد نے کیا ہی اچھے انداز میں تعبیر کا روپ دیا۔ چند کمروں سے شروع ہونے والا آئی ایل ایم آج ایکڑوں زمین اور ہزاروں طلبہ وطالبات پر مشتمل ان کے وژن کا عکاس ہے۔

آج یو ایم ٹی اور حسن صہیب مراد لازم وملزوم ہیں۔ صاحب طرز ادیب، مختار مسعود نے ایک استعارے میں علی گڑھ کو چھوٹا پاکستان اور پاکستان کو بڑا علی گڑھ قرار دیا ہے، اور سر سید احمد خان کا اخلاص ومحنت، علی گڑھ کی روح تپاں۔ آج تعلیمی اداروں کے شہر لاہور میں یو ایم ٹی، حسن صہیب مراد کے وژن کا عکاس ہے۔ کہا جاتا ہے کہ بڑے ادارے انسانوں کو کھا جاتے ہیں۔ انسان کنویں کی مانند اداروں میں اترتا ہے، اور اپنے وجود کو اس میں بھلا بیٹھتا ہے، لیکن اسی ادارے پر وہ تاریخی وقت بھی آیا جب حسن صہیب نے اپنی عمر بھر کی شناخت اور کریڈٹ کو دوسروں کے سپرد کر دیا۔ لوگ اپنے بزنس، اداروں اور کامیابیوں کے حوالے سے اس قدر حق ملکیت کے خوگر (Possessive) ہوتے ہیں کہ جیتے جی اس کریڈٹ کو کسی کے شانے اور سر پر آویزاں نہیں ہونے دیتے۔ اس معاملے میں بھی حسن صہیب مراد منفرد ہیں کہ ایک سال قبل شائستگی، وقار اور باقاعدہ میکنزم کے تحت وہ دونوں ہاتھ جھاڑ کر اپنے محبوب ادارے سے باہر نکل آئے اور کامیابی کا یہ "نشان حیدر" کسی اور کے کاندھے پر ٹانک دیا۔ البتہ اب اس مطمئن روح اور قناعت پسند طبیعت کے سامنے مقابلے کے کچھ اور میدان موجود تھے۔

ڈاکٹر حسن صہیب مراد سے پہلے میرا تعارف اور وابستگی ان کے والد اور تحریک اسلامی کے فکری رہنما، محترم خرم مرادؒ مرحوم سے تھی جو ہندوستانی ریاست بھوپال کی شائستہ تہذیب کی علامت تھے۔ وہ ہمیشہ غیر جذباتی اور سائنسی انداز میں کام کرنے کے عادی تھے، جن کی نظر مقاصد پر اور قدم کامیابی کی جانب مائل رہتے۔ 1996-1995 میں ان سے استفادہ کا جو سلسلہ شروع ہوا، وہ آج بھی جاری وساری ہے۔ حج کا حالیہ سفر میں نے ان کے دروس اور تقاریر کے سہارے مکمل کیا۔ یوں خرم صاحب مکہ، منی، مزدلفہ، عرفات میں ہر جگہ میرے ساتھ تھے۔ خرم مراد کثیر التصانیف آدمی ہیں مگر ان کی اصل تصانیف ادارے ہیں جو انہوں نے تشکیل دیے اور وہ اولاد ہے جن کی تربیت انہوں نے کی۔ محاورتاً نہیں حقیقتاً یہ خاندان "ایں خانہ ہمہ آفتاب است" تھا اور ہے۔ احمد مراد (امریکہ) سے لے کر فاروق مراد (برطانیہ) تک، حسن صہیب مراد سے لے کر اویس طیب مراد تک، اسلامک فاؤنڈیشن لیسٹر سے لے کر آئی ایل ایم تک، اور ترجمان القران سے لے کر پیغام ڈائجسٹ تک۔

ہر ذرہ جس جگہ ہے، وہیں آفتاب ہے

خرم مراد مرحوم نے مکہ المکرمہ سے لیسٹر اور ڈھاکہ سے لاہور تک اپنے کام اور کاز سے عشق کے انمٹ نقوش چھوڑے ہیں۔ اب یہ فیض نہ جانے کتنے افراد اور اداروں کو اپنی آغوش میں لے چکا ہے۔

میرا حسن صہیب مراد صاحب سے تعارف 1997ء کے ابتدائی ایام میں ہوا۔ ان دنوں وہ اسلامی نظامت تعلیم کے سربراہ بنائے گئے، تھوڑے ہی عرصہ

بعد وہ آفاق کی سربراہی کے منصب پر فائز ہوئے۔ یہ اتفاق، حسرت اور محرومی، سب کچھ ہے کہ چند ماہ کی مختصر مدت میں "آفاق" کے تین "نجوم" اس مادی دنیا سے ہمیشہ باقی رہنے والی آخرت کی طرف مراجعت کر گئے۔ مئی میں شاہین رشید، چند روز قبل ڈاکٹر نعیم قریشی اور آج حسن صہیب مراد، کیا ہی خوبصورت تھی یہ کہکشاں جو اپنی چمک دمک ساتھ لے گئی۔ شاہین رشید، حسن صہیب مراد کے ہم قدم بھی تھے اور دم ساز بھی۔ ملنسار، حلیم الطبع انسان جو گھاس میں لگے پانی کی طرح سرایت کرتا، اپنے ذمہ لگے کاموں کو خوبصورت انجام تک پہنچا دیتا۔ ڈاکٹر نعیم قریشی ریڈ فاؤنڈیشن کی وساطت سے 'آفاق' کے افق پر اس طرح جگمگائے کہ یہ تعلق سانسوں کے ڈوبنے تک ان کے ساتھ رہا۔ لاہور، کشمیر اور اسلام آباد کی جامعات میں تدریسی اور انتظامی فرائض کی بجاآوری کے باوجود 'آفاق' کے ساتھ ڈاکٹر نعیم قریشی کی محبت مضبوط تر ہوتی گئی۔ تین سال مسلسل کینسر سے نبرد آزما ہونے کے بعد یہ متواضع اور ملنسار فرد 7 جون کو اپنے آخری سفر پر روانہ ہو گیا۔

یہ سب ڈاکٹر حسن صہیب مراد کے "نظام شمسی" کے سیّارے تھے۔ 'آفاق' کو حسن صہیب مراد کا وژن تو حاصل تھا ہی، ہم سب کی مشترکہ خواہش اور کوشش تھی کہ یو ایم ٹی کی طرح کی سرفروشی اور دُھن بھی 'آفاق' کو مل جائے۔ یو ایم ٹی کے آپریشنز سے سبکدوش ہونے کے بعد حسن صاحب اس کے لیے اپنا ذہن واضح کر چکے تھے۔ 'آفاق' کے نئے افق تلاش کرنے کے لیے ہم ابھی صف بندی کر ہی رہے تھے کہ دست قضا نے ہمارے قبیلہ کا سب سے زیادہ 'آزمودہ' اور 'ہنر مند' شاہ سوار واپس بلا لیا۔

ہر گزرنے والا دن نہ جانے کتنے انسانوں کو فنا کی بھینٹ چڑھا رہا ہے مگر خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو اپنے پیچھے اداروں کی صورت میں روحانی اولادیں چھوڑ جائیں جو ان کے اجر کے ذخیروں کو آئے روز نیکیوں سے بھرتی چلی جائیں۔ دل غم سے اٹا ہوا ہے اور نگاہیں آنسوؤں سے پُر، مگر مادّی بقا تو رسولوں کو بھی حاصل نہیں رہی۔

جو زندہ ہے وہ موت کی تکلیف سہے گا
جب احمد مرسل نہ رہے، کون رہے گا

ہاں دوام ہے تو صرف پیام کو، اور اس پیام بر کو جو پیام کے لیے اپنی پوری زندگی تمام کر دے۔

ایک سورج قبر کی تیرہ شبی میں گر گیا
میں نے دیکھا ہے سمندر، اِک ندی میں گر گیا
اِک ہمالہ، لوگ شانوں پر اٹھا کر لے گئے
اور میں وحشت زدہ حیرانگی سے گر گیا
اِک یقیں پر کچھ شکست وریخت کے آثار ہیں

ایک زہریلا تذبذب زندگی میں گر گیا
خوشبوؤں کا ایک جھونکا تھا دماغوں میں رَچا
اِک جنازہ برگِ گل کی پالکی میں گر گیا
وہ جو پڑھ لیتا تھا ذرّوں سے ستاروں کے نصیب
کیوں عطارد سے الجھ کر مشتری میں گر گیا

Daughter of Syed Muhammad Belal, Zahra Belal's tribute to her mamoo, Dr Hasan Sohaib Murad

Some losses seem to grow with time. That's the way I feel about my beloved Hasan Mamoo's passing away. The more it sinks in, the more gaping seems the hole in my heart. I lay awake at 3 am, my heart heavy with grief and my mind reeling from my memories with him. To Allah we belong and to Him is our return. While we fully accept and submit to His will, our hearts feel painfully constricted at the thought of never seeing his beloved face and warm smile, of never hugging him nor conversing with him or having my children know him. In every sense, I feel bereft of something truly and irreplaceably precious.

I try to put together words to pay tribute to his person, life and accomplishments but everything seems to fall short of adequacy. What words can do justice to a man so larger than ordinary life? A man who raised multitudes of institutions from ashes, leaving behind a powerful legacy of schools, colleges and universities. A man of faith and principle all the way; a man with a vision, a mission and infinite innovative ideas. A man with boundless energy and stamina for hard work. A man who would have achieved great success and wealth in any part of the world but who chose to return to Pakistan after completing his education to build and strengthen institutions here. A man with a wealth of knowledge encompassing a wide, wide range of fields. A man fortunate enough to see the fruits and success of his hard work during his life.

Yet what truly made him a great person were the strengths of his character that have touched the hearts and minds of scores of people, from all walks of life, be it family, friends, employees or his personal attendants. Despite all his great success and intellect, he was the most approachable and humble person ever. I can't recall ever seeing him angry or speak in a loud voice or even a harsh tone. He had such a soft address, always interspersed with smiles, funny quirks and a twinkle in his eyes. It was a treat to ask him questions or discuss a topic with him. I never found him indulging in emotional rants or sweeping statements; his views were always measured and original, always imparted in a self-assured and moderate manner, that probably came from his good breeding and widespread knowledge and reading. Despite so many projects and activities going on, he was always available to help people and would find ways to be considerate and caring. He had way of rendering service to others in a self-depreciating way; in fact, expressions of gratitude used to make him shy.

He was a very loving Mamoo who was always a part of our moments of happiness and sorrow. I have a flash back of the time when I was a child and suffering from an earache during his visit. After he left, we heard the door bell again- he had come back with some ear drops. I remember how in one Ramadan, he had a session with my sisters and our cousins where we were quizzed and asked to make speeches. In the end, he found something to appreciate and reward in each one of us. I recall the time when I applied for the Fulbright scholarship on an impulse and had to quickly write my essays. I wanted someone to give me feedback on my essays and I turned to him. He promptly requested one of his faculty members to guide me and who gave me some very useful advice and suggestions. Afterwards, the scholarship grant letter happened to come around the time of my nikah, I remember him jokingly calling me a Full-bride.

He was full of goodness and hope at all times. in his memory and like him, I also find hope and comfort in my faith in Allah who is All-Merciful, All-Wise and the best dispenser of affairs for His creation. Particularly I take comfort in this verse of the Quran: "Wealth and children are an adornment of the wordly life. But the enduring good deeds are better to your Lord for reward and better for (one's) hope." (18:46) I know Hasan Mamoo amassed a wealth of good deeds. Be it helping others or imparting knowledge in lectures halls or jumahkhutbah or standing up for tahujjud to recite memorized Quran.

May Allah accept it all with his Fadl. May He grant his soul a beautiful welcome. May He grant him the scent and breeze from jannah in his grave. May He put him in the company of the prophets and the pious that he loved and followed in his life. May Quran be his luminous companion in the grave as it was in his life, in his heart and memory. May He expand his grave and fill it with light. May Allah grant his loved ones the patience to bear his passing in a way that earns His pleasure. May Allah enable us to also do many good deeds that bring us all together again in jannah, the best place.

His janazah is on Sept 12, 5pm at UMT.

گوہر نایاب کاانوکھالاڈلا۔۔۔۔۔ تحریر: صائمہ اشرف

یونیورسٹی میں میرا داخلہ ہوئے ابھی چند دن ہی ہوئے تھے۔ کینٹین کی طرف سے اندر آتے ہوئے سیڑھیوں پر مجھے رکنا پڑا کیونکہ وہیل چیئر کے لئے ریمپ نہیں تھی۔ نئی جگہ، نیا ماحول، نئے لوگ۔۔۔۔۔ ابھی اسی شش وپنج میں میں تھی کہ آس پاس سے گذرتے لڑکوں میں سے کسی سے مدد لی جائے۔ اتنے میں پارکنگ ایریا میں ایک گاڑی آکر رکی اور ایک ہنستا مسکراتا ہوا شخص باہر نکلا اور کیمپس کے اندر جانے کی بجائے میرے پاس آکر رکا اور بولا "آپ کو کوئی مسئلہ تو نہیں؟"۔ میں تو جیسے پھٹ پڑی۔ ریمپ نہ ہونے کی وجہ سے اتنے دن سے جن جن مسائل کا سامنا تھا سارے ایک ایک کر کے گنوا دئے۔ لفٹ نہ ہونے سے جو دشواریاں تھیں وہ بھی ایک ہی سانس میں داغ دیں۔ وہ شخص بڑے تحمل اور شائستگی کے ساتھ سنتا رہا اور پھر بولا "آپ مجھے ایک ہفتے کا وقت دے سکتی ہیں؟" میں نے اثبات میں سر ہلایا تو وہ کیمپس کے اندر چلا گیا۔ اور پھر ایک ہفتے کے اندر اندر جہاں ریمپ نہیں تھے وہاں بنا دئے گئے اور لفٹ بھی لگ گئی۔ اور پھر تو اس شخص کا معمول ہو گیا آتے جاتے جہاں کہیں مجھے دیکھتا پاس آکر حال پوچھتا اور مجھے میرے انوکھا لاڈلا ہونے کا احساس دلاتا۔

یہ احساس ہر گزرتے دن اور سیمسٹر کے ساتھ گہرا ہوتا چلا گیا۔ بڑا ہی عجیب شخص تھا۔ اس سے روشنی پھوٹتی تھی۔ دھیمی دھیمی، صندلیں روشنی۔ وہ جہاں سے گزرتا تھا وہاں اسکی وہ صندلیں روشنی محسوس کی جا سکتی ہے اس کلچر کی صورت میں، جو یو ایم ٹی کے اندر داخل ہوتے ہی آپکو نظر آئے گا۔ گیٹ پر کھڑے محافظوں سے لے کر سب سے بڑے دفتر تک۔ ایک شفیق ماں کی آغوش جیسی یو ایم ٹی کے اس مزاج کے پیچھے ایک شخص تھا، حسن صہیب مراد!

ایم بی اے کے دوران جہاں کہیں کوئی مشکل پیش آئی، وہ سارے کام چھوڑ کر آگے بڑھا۔ معلوم نہیں ایسا کیا طلسم تھا کہ ہم اس کے جذبے اور جنون کو اپنے دل و نظر میں انڈیلنے لگے۔ اسکی مسکراتی ہوئی خاموشی اسکی آنکھوں کے خواب چپکے سے ہمیں دان کر گئی اور ہم اپنی اپنی راہ میں اس کے جذبے اور جنون کی انگلی تھامے اپنے اپنے حصے کی چھوٹی چھوٹی شمعیں جلانے میں مصروف ہیں۔ مجھے یہ اعتراف کرتے ہوئے فخر محسوس ہوتا ہے کہ میرے اندر کے چراغ یو ایم ٹی نے جلائے ہیں۔

ہاں، وہ بڑا ہی عجیب تھا۔

ہر ایونٹ میں، ہر موقع پر، ہر مشکل وقت میں وہ یوں ساتھ کھڑا ہوتا تھا جیسے وہ میرا سب سے زیادہ اپنا ہو۔ اور جب بھی ملتا، انوکھے لاڈلے کیس کو پہلے سے زیادہ اپنا لگتا۔

فلیٹیز ہوٹل کی وہ شام بڑی ہی خوبصورت تھی جب وہ ہمارے ساتھ وہاں موجود تھا۔ اپنے جلائے ہوئے چراغوں کی روشنی کو محسوس کرتا۔ ہم جیسے ننھے دیوں کی لو بڑھاتا وہ دھرے دھیرے آگے بڑھا اور ہم ایوارڈ لینے والوں کی قطار میں آیا تعارف اور ایوارڈ کے پس منظر کو جان کر ایک احساس تفاخر کے ساتھ وہ اپنی نشست پر جا بیٹھا۔ پھر جب ایوارڈ لینے کا وقت آیا تو ہال میں بیٹھے تالیاں بجاتے لوگوں میں وہ سب سے نمایاں تھا۔ اس لمحے کی اسکی مسکراہٹ اور فخر نے اگلے کئی زمانوں کو اجال دیا۔

یوایم ٹی کے ڈپارٹمنٹس ORIC اور ICP کے ساتھ کام کرتے ہوئے کئی بار میں نے ضرورت محسوس کی کہ اس شخص سے ملا جائے۔ ICP کے ساتھ کام کے سلسلے میں تو اس کے دفتر گئی بھی، لیکن معلوم ہوا کہ وہ آج کل یوایم ٹی نہیں آتا۔ سو اس کے گھر جانے کا منصوبہ ابھی بن ہی رہا تھا کہ وہ عجیب شخص اپنے عارضی گھر سے دائمی منزل میں شفٹ ہو گیا۔ ہاں لیکن اپنی صندلیں روشنی ادھر ہی چھوڑ گیا

آج صرف ابراہیم مراد یتیم نہیں ہوا، ہم سب یتیم ہو گئے ہیں۔

صائمہ اشرف

Saima Ashraf

شاہین بھائی۔۔۔السلام علیکم ورحمتہ اللہ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ تحریر: فاروق بھٹی

مجھے اندازہ نہیں تھا کہ آپ اتنی جلد پرواز کر جائیں گے۔آپ جیسا مہربان متقی اور درویش صفت میں نے نہیں دیکھا۔۔۔مجھے یاد ہے جب آپ #UET سے انجنیئرنگ کے بعد واپڈا میں چلے گئے تھے اور میاں مارکیٹ اردو بازار میں کمپیوٹر کا بزنس بھی شروع کیا تھا،آپ کے والد شہید عبدالرشید آپ کی غیر موجودگی میں اس کی دیکھ بال کیا کرتے تھے۔جس دن لوئر مال تھانے کی مسجد میں دھماکہ ہوا تھا وہ نماز عصر کے دوران وہیں شہادت کے رتبے پر فائز ہو گئے تھے۔بہت بڑا صدمہ آپ نے بڑے حوصلے سے برداشت کیا تھا۔۔۔انہی دنوں صمد نواز اور کچھ شاد باغی دوست آپ کے ساتھ کمپیوٹر بزنس میں تھے۔ایک دن میں نے ایک بیروزگار نوجوان آپ کے پاس بطور شاگرد بھیجا۔۔اگلے دن وہ حیرت زدہ میرے آفس آیا اور کہنے لگا، عجب درویش بندے کے پاس بھیجا ہے آپ نے،اس نے کھانا بھی کھلایا،چائے بھی پلائی اور رات جاتے ہوئے لاکھوں مالیت کے سامان والے آفس کی چابیاں بھی مجھے دے دیں کہ کل سے آفس آپ کے حوالے۔۔۔اتنا اعتماد اتنا بھروسہ۔۔۔شکریہ

انہی دنوں مرحوم قاضی حسین احمد نے منصورہ میں ایک بڑے اجتماع میں مرحوم خرم جاہ مراد کے صاحبزادے ڈاکٹر حسن صہیب (جو امریکہ سے اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے لوٹے تھے) کا تعارف کرواتے ہوئے کہا کہ کچھ نوجوان جو جدید علوم خصوصاً آئی ٹی کی تعلیم میں مہارت یا دلچسپی رکھتے ہوں،وہ اگر ڈاکٹر حسن کا ساتھ دیں تو پاکستان میں اسلامی لیڈرشپ اور منجمنٹ کے لئے وافر افرادی قوت میسر آ سکے گی۔۔۔آگے بڑھنے والوں میں آپ اولین تھے اور ILM سے #UMT تک آپ نے عمر بھر یہ ساتھ نبھایا۔۔۔2006ء میں میزاب ٹاؤن پراجیکٹ کے سلسلے میں آپ کے ساتھ فیصل آباد اور اسلام آباد کے کئی چکر لگے۔۔۔گاڑی میں،ہوٹل میں جہاں جہاں ساتھ تھے۔۔۔کام بھی خوب کئے اور آپ کو بہت قریب سے دیکھا بھی۔آپ سے عقیدت پہلے محبت اور عشق میں منتقل ہو گئی۔کبھی کسی سے ناراض ہوئے نہ غیبت کی۔۔۔ماحول ایسا خوشگوار رہتا اور قہقہے ہمارے تعاقب میں آتے۔۔۔ مہمان نوازی،نمازوں کا اہتمام اور خیر خواہی اور محبت کا پیغام آپ کی وہ صفات ہیں جس کی گواہی میرے سمیت ہر وہ شخص دے گا جو بھلے زندگی میں ایک دفعہ ہی آپ سے ملا ہو۔

شاہین بھائی۔۔۔آپ احمد کی شادی کی شاپنگ کے لئے مجھے ساتھ لے گئے اور دولہے کی شیروانی،تربان حتیٰ کہ ولیمہ ڈریسنگ تک میں میرے انتخاب کو ہی فوقیت دی۔مجھے اتنی اہمیت دی کہ مجھے احمد اپنے دوست سے زیادہ بیٹا لگا بالکل اسد اللہ اور حمزہ کی طرح۔الحمدللہ آپ نے اپنے دونوں بیٹوں کو بھی ان اوصاف حمیدہ سے متصف کیا جو آپ کی دلپذیر شخصیت کا خاصہ تھے۔سچ تو یہ ہے کہ آپ تینوں باپ بیٹے میرا ایکساں دوست بن گئے ہیں۔

ہر سال ونٹر میں گلور یا جینز پر کافی پینا اور ڈھیروں باتیں کرنا ہمارا اصدیوں سے معمول تھا،اس سال ناغہ ہو گیا۔مجھے یاد ہے جب آپ کے کینسر کی تشخیص ہوئی تو آپ بالکل بھی پریشان نہ ہوئے،پورے حوصلے میں تھے،امیر العظیم بھائی اور ڈاکٹر تنویر الحسن زبیری صاحب قدم قدم پر آپ کے لئے موجود تھے۔۔۔عظیم بھائی ایک انتہائی معروف اور مستند ہربلسٹ کے پاس لے گئے جن کی ادویات آپ استعمال کر رہے تھے اور مختلف پرہیز کر رہے تھے۔

انہی دنوں آپ نے اہلیہ کے ہمراہ عمرہ کا ارادہ کیا اور ماشاءاللہ عمرہ بھی کر آئے۔ فون پر بات ہوتی رہتی تھی جو اکثر قہقہوں سے لبریز ہوتی۔ کبھی بیماری کا تذکرہ ہوتا بھی تو آپ نے الحمدللہ الحمدللہ کہہ کر نمٹا دیتے۔

پھر ایک دن پتہ چلا کہ ٹرانسپلانٹ ضروری ہو گیا ہے، بلال بیٹا ڈونر ہے۔۔۔ میرے دل کو وسوسوں نے گھیر لیا۔ آپ آپریشن کے لئے اسلام آباد شفٹ ہوئے تو میری بے چینی بڑھ گئی۔ یاسمین کو ساتھ لے کر آپ کے پاس پہنچ گیا۔۔۔ آپریشن کی رات دیر تک آپ سے باتیں ہوتی رہیں، احمد انگلینڈ سے اور بلال ڈنمارک سے آ چکے تھے۔۔۔ حافظ خبیب پچاس بلڈ بیگز کے انتظامات میں جُتے ہوئے تھے، تعداد پوری ہو گئی تب بھی اسلام آباد پنڈی سے ڈونرز چلے آ رہے تھے جن کو شکریہ کے ساتھ واپس بھیجا جا رہا تھا۔ اس دوران آپ کے سرجن آ گئے انہوں نے ہماری موجودگی ہی میں آپ کو صبح ہونے والے آپریشن کی مختلف پیچیدگیوں اور احتیاطوں بارے بریف کیا۔ آپ بڑے حوصلے میں تھے اور بلال بیٹا بھی۔

رات بھیگ رہی تھی جب ہم صبح کا ارادہ کر کے پلٹے۔۔۔ دل میں بیشمار وسوسے اُمڈ رہے تھے لیکن ہم دعا کے سہارے ان کو پیچھے دھکیل دیتے تھے۔ اگلی صبح دیر تک آپریشنز چلتے رہے، پہلے بلال کو آپریشن کے بعد آئی سی یو میں شفٹ کر دیا گیا پھر آپ کو بھی شیشے کے ایک بڑے کیبن میں منتقل کر دیا گیا۔ آپ کے بھائی، بھتیجے، معظم، احمد اور اسامہ اسد سب دعاؤں میں مصروف اور ایک دوجے کو تسلیاں دے رہے تھے۔ کچھ دیر بعد احمد نے ہمیں کہا کہ اب دور سے دیدار کر سکتے ہیں۔ الشفاء اسلام آباد کے آئی سی یو کے شیشوں میں آپ ہلکے نیلے رنگ کی چادر اوڑھے، نیم روشن ماحول میں آسمانی رحمت کا استعارہ لگ رہے تھے۔ مجھے لگا آپ مجھے دیکھ کر مسکرائے ہیں۔۔۔ پھر ہم بلال بیٹے کے کمرے کی طرف بڑھے وہ قدرے روشن تھا۔ مجھے لگا بلال نے بھی مسکرا کر دیکھا ہے، میں قریب ہوا تو اس نے ہاتھ کے اشارے سے سلام کیا۔۔۔ خوشی و اطمینان کی اک لہر پورے وجود میں دوڑ گئی۔ الحمدللہ الحمدللہ کرتے ہم آئی سی یو سے باہر آ گئے۔

شاہین بھائی آپ کی ذات میں ایک عجیب روحانیت کشش کا احساس ہوتا تھا، آپ کے سارے دوست میرے دوست بن گئے تھے، تحسین بٹ، طیب فاروق، عمران زاہد سمیت سب دوست۔۔۔ آپ کے عزیز میرے عزیز۔۔۔ طاہر، مجاہد میرے بھائی۔۔۔ آپ کوئی ایسی خدائی عطا تھے جو بارش کی طرح سب کو سرشار کرتی ہے۔۔۔ بلال سے آپ کا حال احوال پوچھتا رہتا تھا۔۔۔ تشویش اور تکلیف زیادہ تھی مگر آپ کا تقویٰ اور صبر آپ کے ساتھی تھے۔۔۔ آپ کی اتنی باتیں، اتنی یادیں۔۔۔ یقین کریں آپ جیسا کوئی نہ دیکھا نہ سُنا۔۔۔ ایک مکمل غیر مصنوعی آدمی۔۔۔ آپ سے اور باتیں بھی کرنا ہیں، پھر کبھی کروں گا فی الحال تو یہ شکوہ کرنا تھا کہ آپ اتنی جلدی کیوں چلے گئے۔۔۔ آپ کو دیکھ کر میں اکثر بلند آواز میں نعرہ لگایا کرتا تھا۔۔۔ "شاہین تیری پرواز سے جلتا ہے زمانہ" ۔۔۔ پھر ہاتھوں پر ہاتھ مار کر قہقہے لگاتے گلے لگ جایا کرتے تھے۔۔۔ آپ کے "جیسے چار بھائی کہتے ہیں کر لیتے ہیں" اور "کائنات کی سب سے خوبصورت تصویر" جیسے کئی فقرے کانوں میں گونج رہے ہیں۔

آج گلہ یہی ہے کہ آپ کو پرواز کی اتنی جلدی تھی کہ آپ نے مڑ کر بھی نہیں دیکھا کہ ہزاروں چاہنے والے آپ کی پیار بھری مسکراہٹ کے متمنی ہیں۔

تیری پرواز آسمانوں سے بھی اوپر آسمان والے تک جا پہنچی ہے۔۔۔

آسمان والا تیرے ظرف سے بڑھ کر تیزی میزبانی کرے

تاریخ کی امانت تحریر میں لانا فرض ہے۔

"مراد کی مراد "کے عنوان سے ایک کتاب ترتیب دے رہا ہوں، جو احباب شہید ڈاکٹر حسن صہیب مراد پر لکھ رہے ہیں یا لکھنے کے خواہشمند ہیں۔۔۔ ان سے گزارش ہے کہ اپنی تحاریر مجھے انباکس کر دیں۔۔۔(اسی عنوان سے شہید کیسوانح حیات پر ایک ڈاکومنٹری بنانے کا بھی ارادہ باندھا ہے، جس میں دوستوں کے انٹرویوز بھی کرنے کا ارادہ ہے)

اگر آپ سمجھتے ہیں کہ کسی دوست کا انٹرویو ضروری ہے تو براہ کرم کمنٹس میں اس دوست کا نام لکھ دیں۔

#UMT #ILM #DrHasan #Educarion, #Murad

تکمیلِ پراجیکٹ کیلئے دعا کی درخواست ہے

محمد فاروق بھٹی۔۔۔+92-322-4122557

advoice@hotmail.com

کامیاب انسان (شاعری— افضال صدیقی)

****

مرادکی مراد تھا حسن صہیب نام تھا
سفیرِ دانش وہنر عظیم تر مقام تھا

جہانِ علم وفن کا اک چمکتا آفتاب تھا
ترقی وکمال کا شعور لاجواب تھا

چلا گیا ہے کامیاب زندگی گزار کے
نسلِ نو کو دے گیا ہے سلسلے بہار کے

جدت علوم کے فروغ کا امام وہ
دُور تک ہے روشنی یہ کر گیا ہے کام وہ

(افضال صدیقی)

حسن صہیب مراد: وہ ہم نفس ہم سخن ہمارا۔۔۔ڈاکٹر شاہد صدیقی (روزنامہ دنیا)

کبھی کبھی گھر سے ہم اپنی منزل کا تعین کر کے نکلتے ہیں' لیکن راستے میں ہمیں کوئی نادیدہ آواز پکارتی ہے اور ہمارے قدم بے اختیار اس کی طرف اٹھنا شروع ہو جاتے ہیں۔اس دن بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ان دنوں میں کراچی میں آغا خان یونیورسٹی کے انسٹی ٹیوٹ آف ایجوکیشنل ڈیویلپمنٹ میں پڑھاتا تھا۔ تین سال یہاں پڑھانے کے بعد میرا انتخاب کنگ عبدالعزیز یونیورسٹی جدہ میں ہو گیا تھا۔یہ 1999ء کے سال کا ایک روشن دن تھا۔اُس روز ہمدرد یونیوسٹی کی کانوکیشن تھی۔کیسا اتفاق تھا کہ میرے ساتھ والی نشست حسن صہیب مراد کی تھی۔یہ حسن بھائی کے ساتھ میری پہلی ملاقات تھی۔ابتدائی تعارف کے بعد جب انہیں معلوم ہوا میرا انتخاب کنگ عبدالعزیز یونیورسٹی جدہ میں ہو گیا ہے'تو انہوں نے بڑی سنجیدگی سے مجھے کہا: آپ ہمارے پاس لاہور کیوں نہیں آجاتے ؟یاد رہے یہ دو دہائیوں پہلے کا ذکر ہے'اُس وقت حسن بھائی انسٹی ٹیوٹ آف لیڈرشپ اینڈ مینجمنٹ چلا رہے تھے۔ناجانے اُن کی گفتگو میں کیا تاثیر تھی یا اُن کی دلاویز مسکراہٹ میں کیا سحر تھا کہ میں نے جدہ جانے کا ارادہ ترک کر دیا اور حسن بھائی کے قافلے میں شریک ہو گیا۔اس ابتدائی قافلے میں عابد شیروانی' حبیب واحدی' عبدالغفار غفاری'شاہین رشید اور زاہد وڑائچ بھی شامل تھے۔سلیم منصور خالد کے گراں قدر مشورے بھی شاملِ حال تھے۔

برکت مارکیٹ میں کرائے پر ایک عمارت لی گئی تھی' جہاں اکنامکس اور بزنس ایڈمنسٹریشن کے ڈیپارٹمنٹس تھے۔حسن بھائی کا خواب تھا کہ ایک فعال سوشل سائنسز کی فیکلٹی کا اجراء کیا جائے۔وسائل نہ ہونے کے برابر تھے' میرے پاس پرنٹر نہیں تھا'وہ میں حسن بھائی کے دفتر سے اٹھالایا۔یوں سوشل سائنسز اور ہومینٹیز کی فیکلٹی کا آغاز 1999 میں ہوا۔ابتداء میں پانچ پروگرامز آفر کئے گئے۔حسن بھائی کے ساتھ خواب دیکھنا اور ان خوابوں کی تکمیل کے لیے جدوجہد میں ایک خاص طرح کی راحت تھی۔مجھے یاد ہے کیسے دیوانہ وار میں اور فاروق کنور مرحوم فیکلٹی کے نئے پروگراموں کی تشہیر کے لیے لاہور اور لاہور سے باہر شہروں میں جاتے تھے۔اس عرصے میں مجھے حسن بھائی کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔میرے لیے وہ باس سے زیادہ ایک دوست اور Mentor تھے۔خواب تو ہم سب ہی دیکھتے ہیں'لیکن حسن بھائی کے خواب بڑے ہوتے تھے اور کبھی کبھی تو ہمیں لگتا تھا کہ اُن کی تعبیر مشکل ہے'لیکن اُن کی محنت لگن اور جذبے سے بہت سے خوابوں کی تعبیریں اُن کی زندگی میں ہی مل گئیں۔ان میں سے ایک یونیورسٹی آف مینجمنٹ اینڈ ٹیکنالوجی ہے' جس کا شمار ملک کی صفِ اوّل کی یونیورسٹیوں میں ہوتا ہے' جو وسیع و عریض عمارت پر مشتمل ہے اور جس میں جدید ترین سہولتیں میسر ہیں۔یہ سفر 1991ء میں علامہ اقبال ٹاؤن میں ایک مکان کے دو کمروں پر مشتمل پورشن سے شروع ہوا' پھر منی مارکیٹ اور گارڈن ٹاؤن کی کرائے کی عمارتوں سے ہوتا ہوا جوہر ٹاؤن کی عظیم الشان یونیورسٹی تک آپہنچا۔کچھ اور خواب جن کی تعبیر انہیں زندگی میں ملی ان میں آفاق'آئی ایل ایم کالجز' اور نالج سکولز کا قیام تھا'لیکن حسن بھائی کے خواب ختم نہیں ہوتے تھے۔ان کا ایک خواب یو ایم ٹی کو انٹرنیشنل سطح پر متعارف کرانا تھا۔ان کا ایک اور خواب جس کا انہوں نے مجھ سے ذکر کیا' ایک فیڈرل یونیورسٹی کے چارٹر کا حصول تھا' خدا کرے اُن کے یہ خواب اُن کا جواں ہمیت بیٹا ابراہیم پورے کرے!۔

حسن بھائی کو میں نے آئی ایل ایم سے یو ایم ٹی کے تھکا دینے والے سفر میں کبھی ہمت ہارتے نہیں دیکھا۔ حالات کتنے ہی مشکل کیوں نہ ہوں ان کے ہونٹوں پر ایک دلآویز مسکراہٹ ہوتی' ان کی طبیعت میں ایک لطیف حس مزاح تھا۔ وہ کسی بھی محفل میں ہوتے مرکز نگاہ بن جاتے۔ حسن بھائی کی شخصیت کے کئی پہلو تھے۔ وہ ادارے کے ریکٹر بھی تھے' کلاس میں طالب علموں کو پڑھاتے بھی تھے۔ مسجد میں جمعہ کا خطبہ بھی دیتے تھے۔ مطالعے کا ان کو جنون کی حد تک شوق تھا۔ نئی نئی کتابیں اور جرائد اُن کے پاس آتے تھے۔ ان کے گھر کی ذاتی لائبریری میں کتابوں اور رسالوں کا ایک وسیع ذخیرہ تھا۔ کتابوں کی باقاعدہ Cataloguing کی گئی تھی۔ میری حسن بھائی کے ساتھ قربت کی ایک وجہ کتاب سے محبت بھی تھی۔ ہم ایک دوسرے سے ملتے تو کتابوں کا تذکرہ ہوتا' ہم ایک دوسرے کو نئی کتابوں کا تحفہ دیتے۔ حسن بھائی کو نئے نئے خیال سوجھتے تھے۔ یہ ندرتِ خیال ان کے خوابوں کو تشکیل دیتی تھی۔ ان کے خوابوں کی کوئی سرحد نہیں تھی۔ الغرض خوابوں کا ایک لامتناہی سلسلہ تھا' جو ان کو متحرک رکھتا تھا۔

حسن بھائی ایک فرماں بردار بیٹے' ایک مشفق باپ اور ایک محبت کرنے والے شوہر تھے۔ اپنے مصروف اوقات کار کے باوجود وہ اپنی والدہ' بیگم اور بچوں کو وقت دیتے تھے۔ حسن بھائی سحر خیز تھے' تہجد کے لیے چار بجے بیدار ہو جاتے' فجر کی نماز اپنے بیٹے ابراہیم کے ہمراہ مسجد میں جا کر پڑھتے۔ صبح قرآن کی تلاوت ضرور کرتے۔ اپنے لیے چائے کا ایک کپ خود تیار کرتے۔ یہ وہ معمولات تھے' جن میں کبھی ناغہ نہیں ہوا۔ جنازے میں شریک ان کے بڑے بھائی فاروق صاحب نے بتایا کہ وہ تقریباً نصف قرآن حفظ کر چکے تھے۔ وہ دین اور دنیا کا حسین امتزاج تھے۔ پاکستان سے ان کی محبت لازوال تھی' جب وہ اپنی زندگی کے آخری سفر پر جا رہے تھے' تو ان کا تابوت پاکستان کے چاند ستارے والے پرچم میں لپٹا ہوا تھا۔

حسن بھائی کے ساتھ ہمارے خاندان جیسے تعلقات تھے۔ نوشابہ بھابھی کا میری بیگم کے ساتھ بہنوں جیسا تعلق تھا۔ حسن بھائی کے بچے ابراہیم اور مریم ہمارے سامنے بڑے ہوئے دونوں بچوں نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی اور اپنے والدین کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے دین اور دنیا کے توازن کو برقرار رکھا۔ حسن بھائی اور نوشابہ بھابھی کا تعلق مثالی تھا' اسی طرح حسن بھائی اپنے بچوں مریم اور ابراہیم سے بے پناہ محبت کرتے تھے۔ ابراہیم کو انہوں نے غیر محسوس طریقے سے بڑی ذمہ داریوں کے لیے تیار کرنا شروع کر دیا تھا۔ جوہر ٹاؤن میں اویس قرنی پارک کے قریب ان کے گھر ہم کتنی ہی بار گئے ہوں گے۔ وہ اکثر اپنے گھر دعوت پر بلا لیتے۔ مہمانوں کی تواضع کر کے دونوں میاں بیوی بہت خوش ہوتے۔ ان کے ہاں نہاری اہتمام سے تیار کی جاتی۔ اسی طرح حسن بھائی اور نوشابہ بھابھی کئی بار ہمارے گھر تشریف لائے۔ جوہر ٹاؤن سے بیدیاں روڈ پر ہمارا گھر کافی دوری پر واقع تھا' لیکن یہ ان کی خاص محبت تھی کہ وہ خود ڈرائیو کر کے ہمارے گھر آتے۔

آج سے تقریباً چار سال پہلے جب علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی میں میرا انتخاب بطور وائس چانسلر ہوا' تو انہوں نے اپنے گھر میں ایک فیملی ڈنر کا اہتمام کیا۔ ڈنر میں ہمیشہ کی طرح نوشابہ بھابھی نے بہت تکلف کیا تھا۔ اس دن حسن بھائی نے مجھے بہت سے مفید مشورے دیئے۔ میری حسن بھائی سے آخری ملاقات تقریباً ایک ماہ پہلے اسلام آباد میں ہوئی۔ انہوں نے مجھے فون کیا کہ وہ اسلام آباد آ رہے ہیں اور لنچ میرے ساتھ کریں گے۔ اس روز عرصے بعد ہماری طویل ملاقات ہوئی مسکراتے ہوئے کہنے لگے کہ اب ریکٹر شپ کی ذمہ داری نہیں رہی۔ اب میرے پاس وقت ہے۔ ان کے ذہن میں کئی موضوعات تھے

‘جن پر وہ لکھنا چاہتے تھے۔ان کے بیٹے ابراہیم نے بتایا: حادثے کے بعد وہ کچھ دیر زندہ رہے‘ ان کے لبوں پر ذکر تھا۔وہ شہادت کی انگلی کھڑی کر کے گواہی دے رہے تھے۔دمِ آخر بھی وہ اپنے رب کو نہیں بھولے تھے۔ابراہیم نے بتایا: اصل پروگرام سکردو جانے کا تھا‘ لیکن پھر اچانک پروگرام بدل گیا اور وہ گلگت کی طرف روانہ ہو گئے۔ کبھی کبھی گھر سے ہم اپنی منزل کا تعین کر کے نکلتے ہیں‘لیکن راستے میں کوئی نادیدہ آواز پکارتی ہے اور ہمارے قدم بے اختیار اس کی طرف اٹھنا شروع ہو جاتے ہیں۔